بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۳ — ماہ ستمبر ۲۰۱۵ء مطابق ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ — شمارہ نمبر ۹

مدیر: خلیل الرحمان سجاد نعمانی

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۵
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۱
	مثالی بیٹا	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی	۱۵
۳	اگر اب بھی نہ جاگے تو........	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	۳۳
۴	اعتدال امت مسلمہ کا وصف	مولانا محمد مجاہد ندوی	۴۴
۵	خانقاہ نعمانیہ میں رمضان المبارک	مولوی محمد عبدالعزیز قاسمی	۴۹
۵	الفرقان کی ڈاک		۵۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ
بصیغہ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ۔۔ منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے درج ذیل حضرات کے نام اور فون نمبر لکھے جا رہے ہیں ان مقامات یا قرب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاضی بکڈپو طہٰ بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی ۱) عمومی -/Rs.230

۱۔ اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہونے پر ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : **Mr. RAZIUR RAHMAN**
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

❁ ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔ ❁

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ
پن۔۲۲۶۰۱۸۔ یوپی، انڈیا۔ فون نمبر: **Ph:0522-4079758**

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے ------

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

۳۰؍جولائی ۲۰۱۵ء کی صبح ناگپور سینٹرل جیل میں یعقوب میمن کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔ اس واقعہ پر بہت کچھ کہا اور لکھا جاچکا ہے۔ ان باتوں کو دہرانے کے لئے نہیں، بلکہ اس کے حوالے سے اپنے ملک کے ارباب اقتدار سے، اور اپنی قوم سے بالخصوص نوجوانوں سے کچھ ضروری باتیں کہنے کے لئے اس وقت راقم نے قلم اٹھایا ہے۔

جو بات ایک محب وطن شہری کی حیثیت سے اپنے ملک کے ارباب اقتدار سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ:

اگر یہ خبریں صحیح ہیں (اور اب تک کی اطلاعات کے مطابق ان کے صحیح ہونے پر شک کی گنجائش نظر نہیں آتی) کہ یعقوب میمن کو ہمارے ملک کی اعلیٰ ترین ایجنسیوں کی طرف سے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کروگے اور مارچ ۱۹۹۳ء میں ہونے والے دھماکوں کے پس پردہ سازش کو بے نقاب کردوگے، اور اس سلسلہ میں ٹھوس ثبوت فراہم کردوگے تو ہم تمہیں وعدہ معاف گواہ قرار دے کر تمہیں سزا سے بچالیں گے۔۔ اور اسی بنا پر وہ اپنی پوری فیملی کو لے کر واپس اپنے ملک آیا تھا، اور اس نے اپنے وعدہ کے مطابق پوری سازش کی تفصیلات بتادی تھیں اور پختہ ثبوت بھی فراہم کردیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔ مگر ایجنسیوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، اور اس کو پھانسی دلوادی۔

ہم پوری ایمان داری اور وطن دوستی کے جذبے سے کہتے ہیں کہ ہم سادہ لوح لوگوں کو اپنی حکومت اور اپنے ملک کی ایجنسیوں کا یہ رویّہ کبھی سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے خیال میں تو یہ بہترین موقع تھا کہ اس شخص کی دی ہوئی معلومات اور فراہم کردہ ثبوت پوری عالمی برادری کے سامنے پیش کئے جاتے اور پوری دنیا کو بتایا جاتا کہ فلاں ملک ہمارے ملک میں اِس طرح کی حرکتیں کررہا ہے۔۔ مگر ایک بار پھر اس موقع کو ضائع کردیا گیا۔ اور سارا زور ملک کے عوام کو یہ تاثر دینے میں لگادیا گیا کہ آج ہم نے ایک ملک دشمن اور قاتل

شخص کو پھانسی پر لٹکا دیا۔کاش ہمارے ملک کے ممبران پارلیمنٹ میں دو چار تو ایسے لوگ ہوتے جو یہ سوال اٹھاتے ،اور حکومت سے جواب طلب کرتے کہ آخر فلاں ملک اور اس کی ایجنسیوں کی جارحانہ حرکتوں پر پردہ ڈالنے کا اصل مقصد کیا ہے؟

ایک اور پہلو ہے جس کے حوالے سے ہر محب وطن اور باشعور ہندوستانی کو ارباب اقتدار سے ایک اور سوال کا جواب طلب کرنا چاہئے ۔وہ سوال یہ ہے کہ خدانخواستہ مستقبل میں کسی دشمن ملک کی طرف سے پھر ایسی ہی کوئی سازش رچی گئی اور ہمارے ملک میں اس نے پھر کوئی دہشت گردانہ کارروائی کروائی تو ان مجرموں میں سے جو لوگ اس کا آلۂ کار بن کر اس کارروائی کو انجام دینے والوں میں شامل ہوں گے کیا ان میں سے کوئی ہماری تحقیقاتی ایجنسیوں کے ساتھ تعاون کرنے اور سازش پر سے پردہ اٹھانے کے لئے آمادہ ہوگا؟ کیا ایک شخص کو تختۂ دار پر لٹکا کر ہمیشہ کے لئے اپنے ملک کی سلامتی اور امن کو مزید خطرہ میں نہیں ڈالدیا گیا؟

یہ تو وہ بات ہے جو ارباب اقتدار سے کہے جانے کے لائق ہے،اور یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ان سے مطلوب ہیں؟

یہاں پر یہ بھی یاد دلانا مناسب ہوگا کہ مبینہ طور پر دشمن ملک کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے بجائے درحقیقت ان کی پردہ پوشی کرنے ،اور اس ملک کی ایجنسیوں کے خلاف واقعتاً کوئی ثبوت پیش نہ کرنے ،اور ثبوت مل بھی جائے تو اسے چھپائے رکھنے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔اس سے پہلے بھی ایسے واقعات ہو چکے ہیں ،مثال کے طور پر خبروں کے مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۰۱ء میں لکھنؤ میں یوپی پولیس نے تین نوجوانوں کو ہلاک کر کے لکھنؤ سے فیض آباد جانے والی سڑک کے قریب ڈالدیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ یہ تینوں پاکستانی شہری تھے جو افغانستان میں تربیت پانے کے بعد اجودھیا جا کر وہاں بابری مسجد کی جگہ بنے ہوئے رام مندر کو دھماکے سے اڑانے کے مشن پر جا رہے تھے۔۔اس موقع پر بھی راقم سطور نے الفرقان (مئی ۲۰۰۱ء) کے ادارتی صفحات میں لکھا تھا:

> ’’معمولی سی سمجھ رکھنے والا کوئی بھی شخص بآسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر واقعتاً یہ تینوں لوگ کسی دوسرے ملک سے ہمارے یہاں دہشت گردی کی مہم پر آئے تھے،تو انہیں زندہ گرفتار کیا جانا چاہئے تھا،ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جانا چاہئے تھا،اور سارا کچا چٹھا نہ صرف ملک کے عوام کے سامنے،بلکہ عالمی انسانی برادری کے سامنے اور عالمی عدالت اور اقوام متحدہ

جیسے بین الاقوامی فوروموں میں اس طرح رکھ دینا چاہئے تھا کہ کسی کو اس بارے میں شک کرنے کی گنجائش نہ رہ جائے کہ واقعتاً ہمارے ملک میں سرحد پار سے دہشت گردی کی منظم کوشش کی جارہی ہے۔ پولیس کی سنائی ہوئی کہانی اگر صحیح ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک بہترین موقع ہماری پولیس نے دہشت گردی کے اس پورے مشن کو بے نقاب کرنے کا ضائع کردیا کیوں کہ مبینہ طور پر اس مہم کا نشانہ متنازعہ سرحدی علاقہ نہیں تھا بلکہ خالصۃً اندرون ملک کا ایک مسئلہ تھا، جس پر ملک کے دوفرقوں کے درمیان نزاع چل رہا ہے اور ایسے کسی مسئلہ میں بیرون ملک سے اس طرح کی براہ راست مداخلت کا ثابت ہوجانا بین الاقوامی سیاست میں ہمارے ملک کے لئے کتنا مفید اور مبینہ طور پر دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والے ملکوں کے لئے کتنا نقصان دہ ہوتا؟ اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اور اس لئے پولیس کے بیان کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے پولیس کی اس کارروائی پر ہر محب وطن شہری کو جتنا بھی غم وغصہ ہو کم ہے!!!''

یہ کہانی ایک بار پھر دہرائی گئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہماری حکومتیں ظاہر کچھ اور کرتی ہیں اور پردے کے پیچھے ان کا عمل کچھ اور ہی ہوتا ہے، صرف پچھلے چند دنوں میں یہ بات اور زیادہ عالم آشکارا ہوگئی ہے۔ ابھی شاید دوتین دن ہی ہوئے ہیں، ہمارے ملک کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی ''را'' کے سابق چیف کی ایک کتاب کا تذکرہ ہمارے قومی اخباروں میں آیا ہے، خبروں کے مطابق اس کتاب میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک کی فلاں ریاست کے علیحدگی پسند لیڈروں کو مستقل طور پر مذکورہ ایجنسی کی طرف سے مالی مدد کی جاتی ہے۔ حکومتوں کا یہ طرز عمل دنیا کے باخبر لوگوں کے لئے ہرگز تعجب خیز اور حیرت انگیز نہیں ہے ۔۔ تاہم دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے ملکوں میں وہ لوگ نہیں ہیں جو حکومتوں کا احتساب کریں، اور صاف لفظوں میں ان سے جواب طلب کریں ۔۔ دونوں طرف کے عوام کو ان کی سیاسی وعسکری قیادتیں کس قدر دھوکا دیتی ہیں کاش کہ کم از کم ان کے صحافیوں اور عوامی نمائندوں میں کوئی تو ایسا ہوتا جو حقائق پر سے پردہ اٹھاتا ، اور دھوکا دینے والوں کو بے نقاب کرتا!! اور کاش کہ ہمارے عوام، خاص کر نوجوان ان سیاسی بازیگروں کے جال میں اتنی آسانی سے نہ آتے! اور ان کے مکروفریب کو کماحقہ سمجھتے!!

اب آیئے ہم مسلم عوام خاص کر نوجوانوں سے بھی کچھ صاف صاف باتیں کریں۔

عزیز اور حساس نوجوانو! تمہارا یہ احساس بالکل درست ہے کہ ہمارے ساتھ سخت ناانصافی ہورہی ہے۔تم اگر یہ سوچتے ہو کہ گجرات کے قتل عام کو گودھرا سانحہ کا ''فطری ردعمل'' قرار دے کر اگر وہاں کے مجرموں کو سزا دینے کے بجائے اونچے عہدوں پر فائز کیا جاسکتا ہے تو بمبئی دھماکوں کے مجرموں کو جنوری ۹۳ء کے قتل عام اور بابری مسجد کے مجرمانہ انہدام کا ردعمل قرار دے کر معاف کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ تو تمہاری یہ سوچ منطقی قانونی لحاظ سے درست ہونے کے بجائے حقیقت پسندی اور سمجھداری پر مبنی سوچ نہیں ہے۔۔۔

ملک میں انصاف کے دوہرے معیار کی یہی ایک مثال نہیں ہے۔ ہر چند قدم پر بنا ہوا، اور روز بروز نیا بنتا ہوا مندر اس کا ثبوت ہے۔اسکولوں کا نصاب تعلیم اس کا ثبوت ہے۔سرکاری تقریبات کا برہمنی رسوم کے ذریعہ افتتاح بھی اس کا ثبوت ہے۔اور سچی بات یہ ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں ثبوت اس کے موجود ہیں۔

تاہم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو! کہ آخر اس صورت حال کو تبدیل کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ کیا غصہ اور اشتعال میں آکر کسی ملکی یا بیرونی ایجنسی کا آلۂ کار بن کر کسی قسم کی کارروائی کر ڈالنے سے صورت حال بدل جائے گی؟؟ جہاں تک ایجنسیوں کا سوال ہے ان کو صرف اپنے مفادات عزیز ہیں، یا زیادہ سے زیادہ اپنے جذبات کی تسکین انہیں مقصود ہے۔ ہمارے مسائل کے حل اور ہمارے حال کی بہتری سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں، بار بار اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کوئی سمجھانے والا سمجھاتا ہے کہ اس طرح کی کارروائیاں کر کے یا ایسے عناصر کی مدد کر کے آپ ہمارے لئے مزید مشکلات پیدا کرتے ہیں، تو ان کا جواب ہوتا ہے وہ آپ کا مسئلہ ہے؟ ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔۔تم کیوں اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جس قسم کی کارروائیوں کو بعض حکومتیں اور وہاں کی فوج اپنے ملک میں ''دہشت گردی'' قرار دے کر ان کو سختی سے کچلنے کے لئے اپنے عوام پر بمباری کر رہی ہیں، وہی لوگ دوسرے ملکوں میں ایسے ہی عناصر کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ میرا اشارہ کسی ایک فریق کی طرف نہیں ہے بلکہ ان سب کی طرف ہے جن پر یہ بات صادق آسکتی ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ دور حاضر میں جہاد کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے، اکثر و بیشتر اس کی اصلیت کیا ہے؟ کاش کہ ہمارے نوجوان اس کو بھی گہرائی سے سمجھنے کی کوشش کرتے؟

قسم کھا کے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی سرگرمیاں زیادہ تر اسلام دشمن طاقتوں ہی کے اشارہ پر، ان ہی کی حمایت وتائید سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچانے کے مقصد سے کروائی جارہی ہیں۔ اور ہمارے بھولے بھالے، سادہ لوح اور حساس مسلم نوجوان ان کے جال میں پھنس رہے ہیں۔

آپ کو یہ دریافت کرنے کا حق ہے کہ پھر آخر ہم کیا کریں؟ کیا اس کھلی ہوئی ناانصافی کو اسی طرح برداشت کرتے رہیں؟ کیا ہم صرف تماشائی بن کر روز نت نئے مظالم کا تماشا دیکھتے رہیں؟ آپ کے اس سوال کے جواب میں کہتا ہوں کہ ذرا ملک کے منظر نامے کے دوسرے رخ پر بھی نظر ڈالو! دیکھو کہ کیا صرف ہمارے تمہارے ہی ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے اور کیا اس ناانصافی کو محسوس کرنے والا کوئی اور اس ملک میں نہیں ہے۔

کیا تمہارے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ ابھی کچھ دنوں پہلے مالیگاؤں کے بم دھماکوں کے مقدمہ کی جس سرکاری وکیل روہنی سیان نے صاف صاف یہ کہہ کر ملک میں سنسنی پھیلا دی تھی کہ ''مجھے اس کیس میں نرمی برتنے کی ہدایت دی گئی ہے۔'' جس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت اس مقدمے کے ملزموں کو، جن کے خلاف دہشت گردی کے ارتکاب کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں، بچانا چاہتی ہے'' وہ ایک ''ہندو'' ہے۔ اور کیا تم اس بات کو بھول گئے کہ جس پولیس افسر ''ہیمنت کرکرے'' نے اس ہندو دہشت گردی اور دہشت گردوں کے نٹ ورک کا پردہ فاش کیا تھا وہ بھی ایک ''ہندو'' تھا، تم اس تازہ ترین خبر کو کیوں اہمیت نہیں دیتے کہ جس جج نے بمبئی کے قتل عام کی تحقیقات کی تھی اس نے ان تحقیقات میں کس قدر ایمان داری اور غیر جانب داری پر مشتمل رپورٹ تیار کی تھی اور پھر یعقوب میمن کی پھانسی کے بعد اس نے کس قدر کھل کر ان خیالات کا اظہار کیا کہ ہمارے ملک میں ریاست انصاف کے مقابلے میں جانب داری سے کام لے رہی ہے ورنہ یہ حقیقت نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے کہ مارچ ۹۳ء کے بمبئی دھماکوں اور جنوری ۹۳ء کے قتل عام کے درمیان گہرا ربط ہے۔

تم اس بات کو کیوں بھول گئے کہ بڑودہ کے ایک اہم مقدمہ میں جو گجرات کے ایک وزیر اور ایک بجرنگی کو سزا ہوئی وہ جن گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ہوئی وہ سب ہندو تھے، اور گجرات پولیس ہی کے اعلیٰ عہدہ داران تھے۔ اور اس بات پر تمہاری توجہ کیوں نہیں جاتی کہ مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب اور ان کے ساتھیوں کو، جن کو ہائی کورٹ تک سے سزائے موت اور عمر قید سنائی گئی تھی، سپریم کورٹ کے جن دو ججوں نے

نہ صرف باعزت بری کیا بلکہ اپنے فیصلہ میں گجرات پولیس اور حکومت کے افسران کے خلاف سخت ریمارکس پاس کیئے وہ دونوں بھی ہندو تھے۔ اور اس کیس کی پیروی کرنے والے دو بڑے وکلاء میں ایک سکھ اور ایک ہندو تھے، اور جب مفتی عبد القیوم صاحب ان کا شکریہ ادا کرنے دہلی گئے تو مفتی صاحب کی روایت کے مطابق ان میں سے ایک نے کہا تھا: مولانا صاحب مٹھائی کا ڈبہ تو سبھی لے کر آتے ہیں آپ سے تو کچھ اور ہی نویدن ہے۔ ہم نے یہاں کی عدالت میں آپ کی پیروی کی ہے آپ اوپر کی عدالت میں ہماری پیروی کردینا۔۔۔۔!!!!

تم اس بات کو بھی بھول جاتے ہو کہ اشیش کھیتان نامی وہ صحافی جس نے حمایت بیگ والے کیس میں اسٹنگ آپریشن کے ذریعہ یہ راز فاش کردیا تھا کہ جن گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر اسے سزا سنائی گئی ہے وہ سب جھوٹے گواہ تھے، اور انہوں نے پولیس کے دباؤ میں جھوٹی گواہی دی تھی، وہ بھی ہندو ہی ہے۔

تم مظلوموں کی طرف سے مسلسل لڑائی لڑنے والی بہن تیستا سیتلواد اور ان جیسے دوسرے سینکڑوں لوگوں کو کیوں بھول جاتے ہو؟

اور یہ بھی تم بھول جاتے ہو کہ جو لوگ آج ہمارے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہزاروں سال سے اس ملک کے اصل باشندوں کو جانوروں سے زیادہ بدتر درجہ دے رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی طرح ملک میں مظلوموں اور انصاف پسندوں کو جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اکھٹا کر کے موجودہ صورتحال کو بدلنے کی ایک طویل جدوجہد برپا کی جائے، اس کے راستے ملک میں ہنوز کھلے ہوئے ہیں، بس ضرورت ہے ان لوگوں کی جو ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالصۃً ملک وملت کے حالات میں مثبت تبدیلی لانے کی پرخلوص حوصلہ مندانہ اور دانشمندانہ کوشش کریں۔

کچھ دھندلے آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں اس جانب کوئی پیش رفت شروع ہو۔ چشم بد دور!

محفل (۱۴۸) سورۃ الأنعام (۷)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

کفار کے گھٹیا ہتھکنڈوں کے پیچھے نہ پڑو
اپنی راہ پر مضبوط رہو اور انھیں ہدایت کی راہ دکھاؤ

أعُوذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ اٰيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي
حَدِيثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِينَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا
شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا
كَسَبُوا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾ قُلْ
أَنَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰىٓ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدٰىنَا
اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ أَصْحٰبٌ يَّدْعُونَهٗٓ إِلَى
الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۷۱﴾
وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوهُ ۚ وَهُوَ الَّذِيٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ
يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ

اور جب تم ایسے لوگوں کو (اے پیمبر) دیکھو جو ہماری آیتوں کی عیب جوئی میں لگے ہیں تو ان سے کنارہ کرو، حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے شغل میں لگیں۔ اور اگر شیطان کہیں تمھیں یہ بات بھلادے تو یاد آجانے پہ بہر حال ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھے رہو۔ (۶۸) اور وہ کہ جنھیں تقویٰ نصیب ہے ان پر کوئی ذمہ داری ایسے لوگوں کی سوائے اس کے نہیں کہ انھیں یاددہانی

کرائیں شاید کہ وہ باز آجائیں (۶۹) اور وہ لوگ کہ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنایا ہوا ہے اور دنیا کی زندگی انھیں بُھلاوے میں ڈالے ہوئے ہے انھیں چھوڑ دو اور بس اس (قرآن) کے ذریعہ سے نصیحت کرو کہ کہیں کوئی جان اپنے کیئے کی پاداش میں پکڑی نہ جائے، پھر جس کا کوئی مددگار اللہ کے سوا ہوگا نہ شفاعت کر سکنے والا۔ اور فدیہ میں وہ سب کچھ بھی دے تو قبول نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے کیئے میں گرفتار ہوئے، اور پینے کو ان کے کھولتا ہوا پانی ہوگا اور دردناک عذاب، ان کی کافرانہ سرگرمیوں کی سزا میں (۷۰)

کہو کہ کیا ہم اللہ کو چھوڑ انھیں پکارنے لگیں جو کوئی نفع ہمیں دے سکتے ہیں نہ نقصان، اور اللہ کی جناب سے ہدایت پا جانے کے بعد ہم پیچھے کو پلٹا دئے جائیں؟ اُس آدمی کی مانند جسے شیطان نے بیابان میں بے راہ کرکے حیران و پریشان چھوڑ دیا ہو اور اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس کو آ۔ کہدو کہ ہدایت تو بس اللہ ہی کی (دی ہوئی) ہدایت ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سرِ اطاعت پروردگار عالم کے آگے جھکا دیں (۷۱) اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اس سے ڈرو اور (جانو کہ) وہی ہے جس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۷۲) اور وہی ہے جس نے پیدا کیا ہے زمین اور آسمانوں کو بامقصد و بامعنیٰ۔ اور جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا تو بس (وہ) ہو جائے گا اور اس کا قول حق ہے۔ اور اسی کی بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا۔ وہ صاحبِ حکمت ہے علم والا ہے (۷۳)

قرآن میں عیب چینی کا کافرانہ مشغلہ

دعوتِ اسلام کو ناکام کرنے کے حربوں میں سے کفارِ مکہ کا ایک مشغلہ قرآنِ پاک میں عیب چینی اور مضحکہ انگیزی تھا۔ اہلِ اسلام کے لئے یقیناً ایک صبر آزما معاملہ۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ہدایت دی جارہی ہے کہ اگر تم دیکھو کہ یہ لوگ مجلس جمائے آیاتِ قرآنی کو اپنی خباثتوں کا تختۂ مشق بنانے، ان میں عیب نکالنے میں لگے ہیں۔ (’’يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا‘‘۔ اسی سے ہماری زبان میں ’’غور وخوض‘‘ کا لفظ ہے۔ یعنی بڑے انہماک اور دلچسپی سے عیب چینی ہو رہی ہے) تو فرمایا گیا کہ تم اِعراض اور کنارہ کشی کی راہ اختیار کرو، حتیٰ کہ ان کا موضوعِ گفتگو بدل جائے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم غیرت میں آکر ان سے الجھ پڑو، بلکہ وہاں سے اُٹھ جاؤ۔ لیکن معاملہ نفسیاتی طور پر تھا ایسا صبر آزما کہ اس ہدایت پر بھول غالب آسکتی تھی۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ بالفرض اگر ایسا ہو کہ شیطان تمھیں یہ ہدایت بھلا دے تو پھر جیسے ہی خیال آئے فوراً ان ظالموں کی مجلس سے اُٹھ جاؤ۔

بحث ومباحثہ نہیں، بس حق کی یاد دہانی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، یا آپ کے اصحاب کو کیونکر ایسوں کے پاس بیٹھنے سے دلچسپی ہوسکتی تھی؟ یہ بظاہر اس صورتِ حال سے متعلق ہے کہ حرم شریف میں ان لوگوں کا ساتھ ہوجاتا ہے۔ اور آپؐ، یا آپؐ کے اصحاب میں سے کوئی بھی موقع دیکھ کر انھیں راہِ ہدایت کی طرف بلانے لگتا ہے۔ پر وہ ناہنجار قرآنی دعوت میں عیب نکالنے کو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یا وہ مجلس جمائے ہوئے یہ شغل کررہے ہوتے۔ پس یہ اس وقت کے لئے ہدایت ہورہی ہے کہ ان سے الجھنے کے بجائے کنارہ کرنا مناسب ہے۔ آگے مزید ارشاد ہوا ہے: وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ----- وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور راہِ ایمان اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی ذمہ داری ان جیسوں کے سلسلہ میں (بحث ومباحثہ نہیں) بس حق کی یاد دہانی کرادینا ہے، کہ شاید برے انجام سے بچ جائیں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۶۹

آگے اوپر کی اس پوری بات کو مکرر یوں فرمایا جارہا ہے کہ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ --- یہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، ان کے حق میں اپنی ذمہ داری بس قرآن کا پیغام پہنچادینے کی سمجھو، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، اور اس طرح اپنی حد تک کوشش کرلو کہ کوئی جان اپنے کئے کی پاداش میں دھر نہ لیجائے (اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ) جہاں پھر خلاصی کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ نہ کوئی سفارشی ہاتھ آئے گا، نہ کوئی بڑے سے بڑا فدیہ دے کر چھوٹ جانے کی راہ نکلے گی۔ بلکہ عذاب ہی عذاب ان کے اعمال کی پاداش میں ہوگا۔ پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دوسرے دردناک عذاب''۔ **یہ ہے اسلام، کہ مضحکہ اُڑانے والوں کے لئے بھی درد رکھتا ہے کہ عذاب سے بچائے جاسکتے ہوں تو بچالئے جائیں!**

آیت میں دین کو کھیل تماشہ بنانے کی جو بات آئی ہے، اس میں ''دین'' سے مراد قرآن والا دین (یعنی دینِ حق) بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی تضحیک اور استہزاء سے اسے کھیل تماشہ بناتے ہیں اور ان لوگوں کا اپنا دین بھی ہوسکتا ہے، جس کا بڑا حصہ کھیل تماشہ ہی کہلانے کا مستحق ہوتا تھا اور قرآن میں ان کے دین کے حق میں یہ بات آئی بھی ہے۔ مثلاً وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ (اور بیت اللہ کے پاس ان کی عبادت سوائے تالی اور سیٹی بجانے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الانفال۔ ۳۵)

دین سے پھر جانے والے کی مثال

ان کفار نے کیا کیا ستم اہلِ ایمان پر نہ توڑے اور کیا کیا سبز باغ نہ دکھائے کہ دینِ حق سے پھر جائیں۔اسی پس منظر میں ارشاد ہو رہا ہے: کہو کہ کیا ہم اللہ کی طرف سے ہدایت یابی کے بعد اسی پرانی ڈگر پہ پڑ کے ان بتوں کے پجاری بن جائیں جن کے ہاتھ میں نہ ہمارا نفع نہ نقصان، ہماری ہی طرح بلکہ ہم سے بھی زیادہ بے بس! ایسا کرنے ،یعنی دینِ حق سے پھر جانے، پر تو ہماری مثال اس شخص کی ہوگی جسے صحراء و جنگل میں غولِ بیابانی (شیاطینِ جن) نے راہ سے کہیں دور جا پھینکا ہو اور وہ حیران و پریشان بھٹک رہا ہو۔اور اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے راہ کی طرف بلاتے ہوئے آواز لگا رہے ہوں کہ ادھر ہماری طرف کو آ (مگر وہ اب اپنے حواس میں کہاں؟) یہ مثال دین سے پھر جانے والے کی ہے، کہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

دینِ حق پر پختگی کی نصیحت

مزید اس سلسلہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ کہہ دو کہ راہِ ہدایت تو بس اللہ کی بتائی راہ ہے۔یعنی ہمیں تو بس اسی پہ رہنا ہے،ہمیں کوئی شبہ اس میں نہیں ہے، اور ہمیں حکم ہے کہ ربُّ العالمین کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیں، پھر ادھر اُدھر کو نہ دیکھیں۔اور حکم ہے کہ نماز قائم کرو اور اس سے ڈرتے رہو، اور (یاد رکھو کہ) وہی ہے جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے۔اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ (یعنی با مقصد و بامعنیٰ) پیدا کیا ہے۔اور جس دن وہ کہے گا کہ ''ہو جا'' (یعنی حشر) تو بس وہ بپا ہو جائے گا۔اس کا قول حق ہے اور اسی کی بادشاہی اس دن ہوگی جس دن صور پھونکا جائیگا۔(یعنی جنھیں آج اسی کی بادشاہی نہیں نظر آ رہی اُس دن وہ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے) وہ غائب و حاضر سب کا جاننے والا، وہ حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔'' یہ بات کہ کن فیکون کا تعلق حشر سے ہے جیسا کہ ترجمہ کیا گیا،تو اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ''صور پھونکے جانے'' کی خبر آ رہی ہے،جس سے حشر بپا ہوگا۔

اہلِ ایمان سے یہ کلمات کہلوا کر ایک طرف ان لوگوں کو پوری طرح مایوس کیا جا رہا ہے جو خواب دیکھتے تھے کہ محمد رسول اللہ کا دامن تھام لینے والوں کو پھر سے دینِ شرک کی طرف لایا جا سکتا ہے۔صلّی اللہ علیہ وسلم۔دوسری طرف حشر کی منظر کشی میں وہ آخری درجہ کی آگاہی کا سامان اِن کے لئے آ گیا ہے کہ بالکل مہر ہی نہ لگ گئی ہو تو غفلت ہوا ہو جائے۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: خلیل الرحمٰن

مثالی بیٹا

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اولاد کی تمنّا انسانی فطرت ہے

شادی ہونے کے بعد ہر انسان کی یہ فطری تمنا ہوتی ہے کہ میں صاحب اولاد ہو جاؤں، چنانچہ مرد بھی اس کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کے لئے دعائیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے لئے دعائیں کرتی ہے، انبیاء کرام نے بھی اس کے لئے دعائیں مانگی ہیں، چنانچہ اللہ کے ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ کسی نے دعا مانگی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ اور حضرت زکریاؑ نے تو بڑھاپے تک دعا مانگی، جب بال سفید ہو گئے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں اس وقت تک اللہ سے دعا مانگتے رہے قرآن مجید گواہی دے رہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ اے اللہ میری ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا اور میرے بال سارے سفید ہو گئے، جیسے دھوپ سفید ہوتی ہے ایسے سفید ہو گئے ہیں، وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ لیکن اے میرے رب میں آپ سے دعا کے قبول ہونے سے مایوس نہیں ہوں، ابھی بھی میں دعا مانگتا ہوں آپ چاہیں تو عطا فرما سکتے ہیں، اور

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور اس بڑھاپے میں اللہ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا تو یہ انسان کی ایک فطری تمنا ہوتی ہے کہ وہ صاحب اولاد ہو۔

بیٹے اور بیٹی کی تربیت میں فرق

پچھلے کئی سالوں میں آپ نے بچوں کی پرورش کے بارے میں کئی سارے بیانات سنے کہ بیٹی کی تربیت کیسے کرنی چاہئے اور بیٹے کی تربیت کیسے کرنی چاہئے کیوں کہ دونوں میں جنڈر Gender کا فرق ہوتا ہے، شخصیت کا فرق ہوتا ہے، اسلئے بیٹے کی تربیت کا اور انداز ہے اور بیٹی کی تربیت کا اور انداز ہے۔ بیٹی کی تربیت میں اس کو نیکی اور حیا کی تعلیم زیادہ دینی ہوتی ہے، اس کی ایک وجہ ہے، بیٹا بگڑ جائے تو لوگ اس بیٹے کی شخصیت کو تو برا کہتے ہیں ماں باپ کو برا نہیں کہتے مگر بیٹی کا معاملہ اور ہے وہ خاندان کی عزت سمجھی جاتی ہے اس سے اگر اونچ نیچ ہوتی ہے تو پورے خاندان کی بدنامی ہوتی ہے اس لئے اس کا معاملہ زیادہ نازک ہے اور قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے، بی بی مریم کے یہاں عیسیٰؑ کی جب ولادت ہوئی تو جب بچے کو لیکر آئیں تو قوم نے دیکھا ایک جوان کنواری لڑکی بچہ کو اٹھا کر لا رہی ہے تو کہنے لگی یٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴿۲۷﴾ تم نے غضب کر دیا تیری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تو تیرے یہاں یہ بچہ کیسے ہو گیا؟ بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ انہوں نے آگے بھی بات بڑھائی يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴿۲۸﴾ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ برا تھا اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی، عمل تو تھا بی بی مریم کا لیکن بھائی، باپ اور ماں کا تذکرہ بھی ساتھ آ گیا کہ نہ تمہارا باپ برا تھا اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی پھر تم کیوں ایسی بن گئیں تو چونکہ خاندان کی بدنامی ہوتی ہے اس لئے بچیوں کی تربیت ایک حساس معاملہ ہے۔

تاہم بیٹوں کی تربیت پر جتنا زور دینا چاہئے شریعت نے اس کی بھی بہت تفصیلات بتائی ہیں۔

دین اسلام نے بچوں کو والدین کی عزت سکھائی، دنیا کے باقی معاشروں کو دیکھیں تو آپ کو بہت اونچ نیچ ملے گی کیوں کہ وہ تجربات پر مبنی ہوتے ہیں، کبھی ایک فیصلہ کر لیا پھر وقت نے بتایا کہ غلط تھا پھر اس کو بدل کے دوسرا فیصلہ کر لیا؛ تو اس قسم کے جتنے انسانی بنائے ہوئے قانون ہیں یہ وقت کے ساتھ فیل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ کفر نے یہ فیصلہ کیا کہ نوجوان بچوں کو اپنی زندگی گذارنے کی آزادی دینی چاہئے اور ماں باپ جو ہر وقت ان کے سر پر سوار ہیں ان کا تعلق الگ کرنا چاہئے چانچہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی ماں باپ بوڑھے ہو جائیں گے تو حکومت ان کو Old age home میں رکھے گی ان کا خرچہ پورا

کرے گی، ماں باپ کے لئے بچوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنی زندگی گزاریں اس میں بچے ماں باپ سے بالکل آزاد ہو گئے۔

مغربی تہذیب کی لعنت کا نتیجہ

معاملہ یہاں تک پہونچا کہ ہمارے ایک پروفیسر تھے سول انجینئیر نگ کے، انہوں نے UK سے انجینئیر نگ کی ڈگری لی وہ کہنے لگے کہ ایک انگریز میرا دوست تھا میں کبھی کبھی اس کے دفتر جایا کرتا تھا تو ایک دن میں دفتر گیا، میں دفتر میں تھا کہ اسی دوران کسی نے آ کر کہا کہ سر آپ کے لئے ہاسپٹل سے فون ہے، ہم لوگوں کی تو طبیعتیں ایسی ہیں کہ ہاسپٹل کا نام آتے ہی ہمارا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے کہ بھائی خیر تو ہے ہاسپٹل سے کیوں فون آیا، تو وہ کہنے لگا کہ میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ ہاسپٹل سے کیوں فون آیا ہے؟ اس نے بڑے اطمینان سے کہا کہ کوئی بات نہیں میرے والد بیمار تھے وہ ہاسپٹل میں بھرتی تھے اور ابھی ابھی ڈاکٹر کا فون آیا ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے، کہنے لگے میں حیران ہوا کہ بیٹے کو باپ کی وفات کی خبر ملی اور اس پر کچھ اثر نہیں، میں نے کہا کہ تو پھر میں چلتا ہوں کیوں کہ آپ کو تو جانا ہوگا، وہ کہنے لگا کہ نہیں آپ بیٹھیں مجھے نہیں جانا، میں نے کہا کہ بھائی ان کو وہاں سے نکالنا ان کے کفن دفن کا انتظام کرنا وغیرہ وغیرہ، اس نے کہا کہ میں نے ڈاکٹر کو فون کردیا ہے کہ میں مشغول ہوں، وہ لوگ کسی C emetery services (کفن دفن کا انتظام کرنے والی کمپنی) کو فون کردیں گے وہ لوگ ان کو لے جائیں گے اور ان کا کفن دفن کردیں گے میں نے ان سے کہا ہے کہ بل مجھے بھیج دینا میں اس کا حساب کردوں گا۔۔۔ یہ بھی ایک معاشرہ ہے کہ جس میں باپ اور بیٹے کا یہ تعلق ہے کہ جوان بیٹے کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں کہ وہ ہاسپٹل جا کر اپنے باپ کا آخری مرتبہ چہرا دیکھ لے۔

1985 کے قریب کی بات ہے، امریکہ کی ایک ریاست ہے ''Connecticut'' وہاں کی ایک ماں نے اپنے بیٹے پر کیس کیا، کیس یہ کیا کہ میرا خاوند فوت ہو گیا اور میں اپنے ایک جوان بیٹے کے ساتھ گھر میں رہتی ہوں اور میرا کیس یہ ہے کہ میرے بیٹے نے ایک کتا پالا ہوا ہے وہ دن میں کم سے کم دو سے تین گھنٹے اس کتے کے ساتھ گذارتا ہے، اس کو نہلاتا ہے اس کو کھانا کھلاتا ہے اس کو ٹہلانے کے لئے باہر لے کر جاتا ہے، میں اس کی ماں ہوں میں اس سے کہتی ہوں کہ بیٹا! دن میں پانچ منٹ کے لئے میرے کمرے میں بھی آجاؤ تاکہ میں چہرا دیکھ سکوں اور یہ میری بات نہیں مانتا تو عدالت اس کو حکم دے کہ دن میں پانچ منٹ کے لئے یہ مجھ سے ضرور

ملا کرے، اب اس کیس کے لئے بیٹے نے بھی وکیل کیا اور ماں نے بھی وکیل کیا، ان کا کیس ٹی وی کے اوپر پوری قوم کو دکھایا گیا، تقریباً ایک سال کیس چلنے کے بعد جج نے فیصلہ یہ کیا کہ کتا چونکہ لڑکے نے خود پالا ہے اس لئے کتے کی اس پر liability (ذمہ داری) ہے تین گھنٹے لگتے ہیں یا پانچ، اس کو لگانے پڑیں گے اور کتے کا خیال رکھنا پڑے گا، جہاں تک اس بوڑھی ماں کا سوال ہے تو یہ بچے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر کوئی مسئلہ ہے تو درخواست دی جائے تو حکومت اس کو Old age home میں بھیج دے گی، ہم بچے سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ پانچ منٹ کے لئے اپنی ماں کے پاس ضرور جائے، یہ بچے کی اپنی مرضی پر ہے، جائے چاہے نہ جائے۔۔۔اب جہاں ماں اور بیٹے کا یہ تعلق ہوگا وہاں ماں باپ کی کیا عزت وقعت رہے گی۔

ہم نے کہا تھا کہ بہت پچھتاؤ گے تم
لوٹ کے پھر واپس ضرور آؤ گے تم

جب انہوں نے دیکھا کہ بچے بالکل ہی ماں باپ سے کٹ گئے اور ان کو جواب دیتے ہیں کہ You spend your life, let me spend my life (آپ اپنے کام سے کام رکھیں، مجھے چین سے جینے دیں!) پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے Too much (حد سے زیادہ) کرلیا ہے، بچوں کو اتنی آزادی نہیں دینا چاہئے، یہ نیا خون غلط فیصلہ لے لیتا ہے تو ان کا کوئی نہ کوئی سرپرست ہونا چاہئے، کوئی نہ کوئی سمجھانے والا ہونا چاہئے، چنانچہ آج کل کفر کے ماحول میں جو Research (تحقیقات) سامنے آرہی ہیں؛ اس میں نئے سرے سے پھر بچوں کو کہا جارہا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے ساتھ اچھا تعلق رکھو اور ان کی باتوں کو سنا کرو۔

چنانچہ ایک ریسرچ ہے کہ Duties of a son towards the parents (والدین کے تئیں بیٹے کے فرائض) کفر کی دنیا کی ریسرچ ہے، وہ کہتے ہیں کہ You shoud serve your parents تم اپنے ماں باپ کی خدمت کرو Do not forget parents are getting old یہ نہ بھولو کہ ماں باپ وقت کے ساتھ بوڑھے ہورہے ہیں، تو ان کو خدمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ چنانچہ چائنا نے ایک نیا Law (قانون) بنایا ہے کہ Children have to take care of physical & emotional need of the parents,if they do not visit them often, so they will be fined and

they can go to the jail (بچے اگر اپنے ماں باپ کو نہیں ملتے اور ان سے تعلق نہیں رکھتے تو ان پر جرمانہ بھی ہوسکتا ہے اور جیل بھی ہوسکتی ہے)۔ Ukraine (یوکرین) میں ایک قانون بنا کہ Parents can sue their children for financial support (اگر بچے ماں باپ کا خیال نہیں رکھتے تو ماں باپ ان پر مقدمہ کرسکتے ہیں) ان سے اپنا حق لینے کے لئے۔ جاپان میں جو Fastest aging population (تیزی سے بڑھتی عمر کی آبادی) ہے؛ وہاں پر ایک قانون بنایا گیا کہ The government will help them to get care taken for their parents اگر بچے خود اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تو وہ حکومت کو درخواست دیں گے اور حکومت ان کی مدد کرے گی کہ ان کے ماں باپ کی دیکھ بھال ہو، بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ قانون تو بن گیا نا کہ بچوں کو ماں باپ کا خیال رکھنا پڑے گا۔

اس وقت جاپان میں جو سب سے اچھی کمپنیاں چل رہی ہیں یہ وہ کمپنیاں ہیں جو Old age لوگوں کو Companion (ساتھی) سپلائی کرتے ہیں یعنی ایک دو گھنٹے کے لئے Booking کروائی جاتی ہے بوڑھے بندے نے گھر کے جس کام کے لئے Booking کروائی، کوئی بندہ آئے گا اور اس کام کو اتنی دیر کرکے چلا جائے گا، فرض کرو اس نے Booking کروائی کہ مجھے باتیں کرنی ہیں تو ایک گھنٹے کے لئے ایک عورت آئے گی وہ اس سے فیس لے گی اور اس کے ساتھ کسی بھی عنوان پر مثلاً سیاست پر یا اس کی جس سے دلچسپی ہوگی اس کے اوپر بات چیت کرکے ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس چلی جائے گی یعنی بات کرنے کے لئے ترس رہے ہوتے ہیں ماں باپ۔ یہ کمپنیاں جاپان میں سب سے زیادہ ترقی کررہی ہیں۔ فرانس اور جرمنی نے اب ایک نیا قانون بنایا ہے کہ The government has to take care of the edlerly people حکومت اب بوڑھے لوگوں کا خیال خود رکھے گی۔

اسلامی تہذیب کا حسن

دین اسلام کی خوبصورتی دیکھئے کہ شریعت نے کہا کہ بچے جو ہیں ان کو ماں باپ نے پالا پوسا ان کو چھوٹے سے بڑا کیا ان کو تعلیم دلائی اور ان کو کسی قابل بنایا تو وہ ماں باپ کی اس قربانی کو بھول نہیں سکتے، لہٰذا اب یہ بچے اگر بڑے ہوجائیں تو ان کو چاہئے کہ یہ اپنے ماں باپ کا ادب کریں ان کو عزت دیں اور ان کی خدمت کریں اور اس کو اپنی سعادت سمجھیں، شریعت نے تو یہاں تک کہا کہ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا

تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ کہ ماں باپ کے سامنے تم اف بھی نہ کرو اور بات کرنی ہو تو بڑی عزت اور محبت سے بات کرو جس طرح کوئی غلام اپنے آقا سے بات کرتا ہے تو اسی احترام کے ساتھ اپنے ماں باپ سے بات کرو، چنانچہ شریعت نے کہا کہ الجنة تحت اقدام الامهات جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے، قدم کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ انسان کے جسم میں قدم سب سے نیچے ہے اگر اس سے بھی نیچے کوئی چیز ہوتی تو اس کا تذکرہ کر دیا جاتا؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کے سامنے انسان جتنا جھکے گا شریعت اس کو اتنا ثواب دے گی، کتنی خوبصورت شریعت ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اپنی ماں یا اپنے باپ کے چہرے پر ایک مرتبہ محبت کی نظر ڈالتا ہے ہر نظر ڈالنے پر اس کو ایک حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے، صحابہ کرام نے سوال کیا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی بار بار دیکھے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: جتنی بار دیکھے گا اتنی بار حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا، جن کے چہروں کو محبت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے، ان کی خدمت کرنے سے اللہ کتنے راضی ہوں گے، تو دین اسلام نے ایسی تعلیم دی کہ جو ہر دور اور ہر زمانہ میں بہترین تعلیم ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تین لوگوں کی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں، ایک مظلوم کی دعا۔ دوسرے مسافر کی دعا۔ اور تیسرے باپ کی دعا اپنے بیٹے کے حق میں اللہ کبھی اس کو رد نہیں فرماتے ہمیشہ قبول کرتے ہیں۔

مثالی بیٹوں کی شاندار مثالیں

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں حضرت اسامہؓ کو ایک باغ لگانا تھا تو اس کے لئے وہ بہترین نسل کی کھجوریں لے کر آئے کہ میں کھجوریں زمین میں ڈالوں گا اور اس سے درخت بنیں گے اور ان کا مجھے پھل ملا کرے گا اور اس کے لئے انہوں نے ایک ہزار درہم یا دینار خرچ کئے، جب کھجوروں کی بوریاں گھر آئیں تو والدہ کو پتہ نہیں تھا انہوں نے کھجوریں کھائیں تو ان کو اچھی لگیں، حضرت اسامہؓ نے اپنی ماں کو بتانا بھی گوارہ نہ کیا کہ امی یہ میں نے باغ لگانے کے لئے منگائی ہیں بیج کے طور پر، یہ کھانے کے لئے نہیں ہیں ایک درہم کی کھجوریں ان کی والدہ نے کھالیں اور وہ خاموش رہے کسی نے پوچھا کہ آپ کو باغ لگانا تھا وہ کہنے لگے کہ مجھے باغ لگانے کی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی خوشی مجھے اس بات کہ ہے کہ میری والدہ کو کھجوریں پسند آئیں اور انہوں نے ان کو کھالیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلنے لگتے تھے ہمیشہ پہلے اپنی والدہ کے پاس جاتے تھے ان کو سلام کرتے تھے ان کو بتاتے تھے پھر گھر سے جاتے تھے اور جب گھر سے واپس آتے تھے تو پہلے اپنی والدہ کو سلام کرتے تھے اور اس کے بعد ہی کسی اور کام میں مشغول ہوتے

تھے، اتنا اپنی والدہ کا وہ احترام فرماتے تھے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنی والدہ کا بہت احترام کرتے تھے اللہ کی شان کہ امام اعظم جوانی سے ہی بہت بڑے فقیہ بن گئے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا ۱۲۰ھ سے امام اعظم کا فتویٰ چلنا شروع ہوا باقاعدہ وہ اپنے استاذ کی مسند پر بیٹھ گئے، اب جب گھر میں کبھی والدہ کو مسئلہ پوچھنا ہوتا تو حالانکہ وہ اپنے بیٹے سے بھی پوچھ سکتی تھیں لیکن ایک اور بڑے عالم اور فقیہ تھے اور والدہ کے دل میں ان کی عقیدت تھی کہ یہ بڑے اور پرانے عالم ہیں، اس لئے وہ پکا مسئلہ بتائیں گے تو والدہ ان سے کہتیں کہ نعمان! مجھے ان کے پاس لے چلو مجھے ان سے کچھ مسائل پوچھنے ہیں تو امام اعظمؒ اپنی والدہ کے لئے اونٹ منگواتے اور ان کو اونٹ پر سوار کرتے اور اونٹ کی نکیل خود پکڑ کر چلتے، راستے میں امام اعظمؒ کے کئی شاگرد ملتے اور وہ کہتے کہ حضرت ہم اونٹ کی نکیل پکڑ لیتے ہیں، فرماتے کہ نہیں میری والدہ سوار ہیں اس لئے نکیل میں خود پکڑوں گا، جب اس فقیہ کے پاس پہونچتے تو دروازہ کھٹکھٹاتے وہ باہر آتے تو آپ فرماتے کہ میری والدہ آپ سے کچھ مسائل پوچھنا چاہتی ہیں، کئی مرتبہ مسئلہ ایسا ہوتا تھا کہ جو ان کو بھی نہیں آتا تھا، تو امام اعظمؒ کو اشارہ کرتے کہ مجھے تو اس کا جواب نہیں پتا! تو امام اعظمؒ آہستہ آواز سے ان کو مسئلہ بتا دیا کرتے تھے اور پھر وہ اونچی آواز سے امام صاحب کی والدہ کو مسئلہ بتاتے۔ ساری عمر ایسا ہوتا رہا اور امام صاحب نے اپنی والدہ کو یہ نہ بتایا کہ امی جو مسئلہ پوچھنے جارہی ہیں وہ آدمی تو مجھ سے پوچھ کر مسئلہ بتاتا ہے، صرف اس لئے خاموش رہے کہ اگر میری والدہ کو تسلی اسی طرح ہوتی ہے تو ان کی دل کی خوشی کا ہونا زیادہ ضروری ہے۔

ابن سیرینؒ جنھوں نے تعبیر الرویا کتاب لکھی ہے ان کے بارے میں ان کی بہن حفصہ بنت سیرین کہتی ہیں کہ جب وہ اپنی ماں سے گفتگو کرتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ ہم کو تعجب ہوتا تھا، زندگی بھر انہوں نے اپنی آواز اپنی ماں سے بلند نہیں کی اتنا ان کا احترام کرتے تھے، ان کی والدہ کو ڈیزائن والے کپڑے بہت پسند تھے جب ابن سیرینؒ کو پتہ چلا تو انہوں نے باقاعدہ ایک رنگریز کے پاس جا کر کپڑے کی رنگائی سیکھی اس لئے کہ ان کی والدہ کو رنگے کپڑے پسند تھے اس کے بعد اپنی والدہ کے کپڑے خود رنگا کرتے تھے، تاکہ میری والدہ اس رنگ کے کپڑے پہنے گی اور اس کو خوشی ملے گی۔

بابا فریدؒ بڑے مشائخ میں گذرے ہیں، بہت شیریں زبان تھے، بات ایسے انداز میں کہتے کہ دوسرے آدمی کا دل موہ لیتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے بڑی محبت سے اپنی والدہ سے بات کی تو انہوں نے

کہا کہ بیٹا تو بفضل خدا شکر کی طرح شیریں ہی رہے گا یہ ماں نے دعا دی اور ماں کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ آج بھی ان کو مرنے کے بعد بابا فرید الدین گنج شکرؒ کہتے ہیں اللہ نے شکر کو نام کا حصہ بنا دیا۔

کچھ اہم پوائنٹس

ایک نئی Scientific recerch ہے کفر کے ماحول میں کہ آپ اپنے والدین کی خدمت کیسے کر سکتے ہیں؟، دین اسلام نے تو بتایا کہ آپ ان کو اپنے ساتھ رکھیں ان کی باتوں کو سنیں اس پر عمل کریں ان کو خوش رکھیں، ان کی خدمت کریں، آپ جتنا ان کو خوش رکھیں گے گویا آپ اپنے پروردگار کو خوش رکھیں گے۔ چونکہ کفر کے ماحول میں معاملہ ذرا مختلف ہے تو انہوں نے ریسرچ کی کہ باپ کی خدمت ایک بیٹا کیسے کر سکتا ہے؟ چنانچہ پہلی بات وہ کہتے ہیں کہ باپ کی خدمت وہ اس طرح بھی کر سکتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے لئے ڈاکٹر سے Appointment (ملنے کا وقت) لے، ذرا ان Points (نکات) کو سنیں تو آپ کو ہنسی آئے گی کہ یہ ماں باپ کی مدد کرنے کا طریقہ ہے کہ ماں باپ بوڑھے ہیں ان کے لئے فون کرنا باتوں کو یاد کرنا مشکل ہے تو ان کی مدد یہ کریں کہ آپ ان کے لئے ڈاکٹر سے Appointment آپ لیا کریں۔ پھر بڑھاپے میں چونکہ یادداشت کم ہو جاتی ہے اسلئے ان کو مچھلی وغیرہ اس طرح کی چیزیں کھلائیں تاکہ ان کی یادداشت کی کمی کو دور کیا جا سکے، پھر اپنے ماں باپ کو ٹکنالوجی سے Update رکھیں یہ ان کی ریسرچ ہے یعنی بوڑھے بندے کو I-Phone لے کر دیں، ان کو چلانا سکھائیں اور ان سے کہیں کہ وہ اپنا WhatsApp Group بنائیں، ایک اور Point کہ Work with their pharmacist کہ جوان کا pharmacist ہو اس کے ساتھ تعلق رکھیں! یہ بہت اچھا پوائنٹ ہے کیوں کہ وہ کسی بھی ڈاکٹر کو دکھائیں گے کسی بھی مرض کے لئے لیکن دوائی تو ان کو ایک ہی دکان سے لینی ہے pharmacy سے، تو اس کو پتا ہوتا ہے کہ کون کون سی دوائی دی جاتی ہیں، کس کس بیماری کے لئے، تو ان کے ساتھ اگر رابطہ کو رکھیں گے: تو ماں باپ کی بیماریوں کا اور صحت کا اچھا پتہ چلتا رہے گا، ایک ریسرچ یہ ہے کہ ان کے لئے ڈرائیور کا بندوبست کریں۔

محبت اظہار چاہتی ہے

ایک ریسرچ یہ ہے کہ ماں باپ سے محبت کا اظہار بھی کریں! یہ بہت اہم پوائنٹ ہے، نوجوان بچے کئی مرتبہ سوچتے ہیں کہ ہم تو ماں باپ سے محبت کرتے ہیں؛ مگر محبت اظہار چاہتی ہے، نوجوان اظہار نہیں

کر پاتے یہ غلطی کرتے ہیں۔ایک مرتبہ میں کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا (میرے پوتے) محمد سرمد کی عمر دو سال کی تھی وہ کمرے میں آیا سلام کیا میں نے جواب دیا اور میں کتاب پڑھتا رہا اور وہ واپس چلا گیا میں نے کہا بچہ ہے یہ کھیل رہا ہوگا جا کے بچوں کے ساتھ کھیلے گا تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی ماں کے ساتھ آیا اور رو رہا تھا میں نے پوچھا کہ یہ رو کیوں رہا ہے تو اس کی والدہ نے کہا کہ یہ میرے پاس گیا اور کہہ رہا ہے کہ امی اب دادا ابو مجھ سے پیار نہیں کرتے میں نے کہا تم یہ بات کیسے کہہ رہے ہو اس نے کہا کہ دادا ابو میں روز آپ کے پاس آتا ہوں تو آپ مجھے پیار کرتے بوسہ لیتے ہیں تو مجھے پتہ چلتا ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن میں آج جب آپ کے پاس آیا تو آپ سے سلام کیا اور آپ جواب دے کر کتاب ہی پڑھتے رہے، تو آج مجھے محسوس ہوا کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ایک چھوٹا بچہ بھی اگر اس چیز کو محسوس کرتا ہے کہ دوسرا بندہ محبت کا اظہار کیوں نہیں کر رہا تو ماں باپ کو تو بڑھاپے میں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے؛ لہٰذا ماں باپ کے سامنے محبت کا اظہار کرنا چاہئے ،زبان سے کہنا بھی چاہئے کہ ہمیں آپ سے محبت ہے اور ہم آپ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو کبھی کبھی ان کے پسندیدہ تحفے بھی دینا چاہئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **تھادوا تحابوا** کہ ہدیہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔

عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب میں جہاد کے لئے آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمہارے والدین ہیں اس نے کہا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے والدین سے مل کے آیا ہوں مگر ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، تو جیسے ہی انہوں نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا تم واپس گھر جاؤ جس طرح تم ان کو روتا چھوڑ آئے ہو اب اس طرح ان کا دل خوش کرو کہ وہ مسکرائیں اور ہنسیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات سمجھائی کہ دیکھو ماں باپ کے دل کو خوش کرنا کتنا عظمت والا کام ہے۔

حضرت اسماءؓ حضرت صدیقؓ کی بڑی بیٹی تھیں حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں ان کی جو والدہ تھیں انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ مشرکہ ہی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ ان کی والدہ ان سے ملنے کے لئے آئیں تو اسماءؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ میرے پاس ملنے کے لئے آرہی ہیں اور وہ مشرکہ ہیں تو میرے لئے کیا حکم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگرچہ وہ مشرکہ ہیں اور اسلام ابھی قبول نہیں کیا تم ان کی خدمت کرو اس لئے کہ وہ تمہاری ماں ہیں تو دین اسلام کی خوبصورتی دیکھیں کہ ماں باپ کافر بھی ہوں، شریعت ان کا احترام سکھاتی ہے فرمایا **وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا** یعنی تم

دنیا کے اندر ان مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی مناسب اور اچھی زندگی گزارو، دل میں انکا احترام رکھو۔

کہتے ہیں کہ بیٹا اپنے باپ کو جاتا ہے الولد سر لابیہ بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے، انگریزی کا ایک جملہ ہے کہ Apple does not fall far from the tree یعنی سیب درخت کے قریب ہی گرتا ہے وہ پیڑ سے بہت دور نہیں گرتا اس کا مطلب یہ کہ بیٹا اپنے باپ کے اخلاق کے قریب ہوتا ہے۔ اسی لئے جو نیک لوگوں کی اولادیں ہوتی ہیں ان کو تھوڑی محنت کرنی پڑتی ہے مگر اس پر اللہ ان کے ساتھ زیادہ مہربانی فرما دیتے ہیں۔

ماں باپ کے پاس جب بیٹھیں تو اپنے بچپن کے واقعات سنائیں اسلئے کہ جب آپ اپنے بچپن کے واقعات سنائیں گے تو ماں باپ آپ کی گفتگو سے زیادہ خوش ہوں گے اور ان کو احساس ہوگا کہ آپ ان کے بچپن کے احسان کو بھولے نہیں ہیں ان کو یاد رکھتے ہیں، مثلاً آپ نے بچپن میں ہم کو اس طرح یہ چیز لے کر دی تھی، آپ نے اس طرح یہ کام کیا تھا تو ماں باپ کو اس سے پیغام ملتا ہے کہ ہم نے جو ان کی پرورش کی تھی، یہ اس احسان کو بھولے نہیں اس بڑھاپے میں بھی انہوں نے اس کو یاد رکھا ہوا ہے اگر ماں باپ دوسرے ملک یا دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو ان کو Frequently (اکثر) کال کرنا چاہئے اور ان کو اپنے بارے میں خبر دینا چاہئے۔

ایک ریسرچ یہ بھی ہے کہ ماں باپ جب بوڑھے ہو جائیں اور بچے ان سے ملنے کے لئے آئیں تو بچے ان سے صرف زبانی سلام نہ کریں بلکہ ان کے گلے لگیں اور ان کے ہاتھوں کو چومیں اس طرح کا پیار ان کے دماغ میں ایک ایسے Harmone کو پیدا کرتا ہے کہ ان کو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور ان کی صحت پر اس کا اچھا اثر ہوتا ہے تو جیسے چھوٹے بچے کو Hug and kiss (گلے لگانے اور پیار) کرنے کا اثر ہوتا ہے اسی طرح بوڑھوں پر بھی اس کا اچھا اثر ہوتا ہے تو صرف زبان سے ہی سلام کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اگر والد کو سلام کیا تو معانقہ بھی کریں اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ بھی دیں یہ Hug and kiss گویا ان کے بدن کی ضرورت بن جاتی ہے۔

آگے ایک ریسرچ اور ہے کہ Five languages of love for parents پانچ زبانیں ہیں جو محبت کی زبانیں کہلاتی ہیں اور ماں باپ پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ پہلی بات Words of affirmation ماں باپ کو کہنا ابو I love you، امی I love you یہ الفاظ بھی Love

language ہیں۔ دوسری بات کہ اگر ماں باپ کے ساتھ اگر negative attitude (منفی رویہّ) رکھیں گے تو اس سے وہ بہت Hurt ہوتے ہیں، ان کا دل بہت دکھتا ہے اگر بچے ان کو ترچھی نگاہوں سے دیکھیں، غصہ کی نگاہوں سے دیکھیں یا غصہ کے انداز میں پوچھیں کیا مسئلہ ہے کیا بات ہے تو جس انداز سے آپ بات کررہے ہیں یہ انداز ماں باپ کو زیادہ دکھ دیدیتا ہے اس لئے ہمیشہ ان کے ساتھ محبت کے طریقہ سے بات کریں تاکہ ان کو یہ پیغام ملے کہ میرا بچہ مجھ سے محبت سے بات کرتا Polite ہے۔ تیسری چیز ماں باپ سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ان کے ساتھ Eye contact (اپنی نگاہوں کو ان کی طرف متوجہ) ضرور رکھیں، نوجوان کئی مرتبہ اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں، باپ سے ایسے بات کرتے ہیں گویا کسی چھوٹے بچے سے بات کررہے ہوں۔

ایک واقعہ

ہمارے یہاں مشہور ہے کہ چند لوگ کسی جگہ بیٹھے بات کررہے تھے، ایک نوجوان جو باتوں میں کافی دلچسپی لے رہا تھا اچانک اس کے والد بھی آگئے، جب وہ آگئے تو انہوں نے بھی باتوں میں حصہ لینا شروع کردیا تو بیٹا فوراً بولا کہ ابو آپ ذرا خاموش رہیں، انسانوں کو باتیں کرنے دیں یعنی باپ کی قدر اس نے ایسے بھی نہ کی کہ یہ بھی کوئی انسان ہے، ذرا باتیں کرنے دیں لوگوں کو تو ایسی باتوں سے ماں باپ کا دل دکھتا ہے، ان کے ساتھ Eye contact بھی رکھنا چاہئے جب آپ Eye contact رکھ کر بات کریں گے تو ان کو اپنائیت کا احساس ہوگا۔ خاص طور پر ماں باپ سے بات کرتے ہوئے محبت و پیار سے بات کریں Actions speaks louder than words! عمل الفاظ سے اونچا بولتے ہیں، تو اپنے عملوں سے ماں باپ کو ثابت کریں کہ آپ ان کا خیال کرتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔

ایک ریسرچ یہ بھی ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں جو سستی دکھاتا ہے اس سستی کو ماں باپ lack of love سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سستی کررہا ہے حالانکہ نوجوان سستی کی وجہ سے کوتاہی کررہا ہوتا ہے ماں باپ اس کو laziness (سستی) نہیں سمجھتے وہ اس کو lack of love سمجھتے ہیں کہ بچے کو ہم سے محبت ہی نہیں ہے اس لئے اس کو ہمارے کاموں میں کافی دلچسپی نہیں ہے، اس لئے کبھی بھی ماں باپ کے کاموں میں سستی نہ کریں۔ اگر ماں باپ کو چھونے کا موقع آئے، فرض کرو کہ ان کو اٹھانا بٹھانا ہے تو جسمانی طور پر ان کے ساتھ نرمی اختیار کریں یعنی زور لگا کر ان کو نہ اٹھائیں بٹھائیں اس سے ان کو

الٹا تکلیف پہونچتی ہے۔ اس میں بہت نرمی کریں آرام اور سکون کے ساتھ Be grateful to your parents especially to your mother اپنے باپ کا زیادہ احترام کریں اور خاص کر اپنی والدہ کا اس سے بھی زیادہ احترام کریں۔

ماں؛ تیری عظمتوں کو سلام!!

ایک صحابیؓ نے آ کر پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ میں سے میرے اوپر کس کا حق زیادہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا والدہ کا، اس نے دوبارہ پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا والدہ کا، اس نے تیسری بار پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا والدہ کا، جب اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں تمہارے والد کا بھی تم پر حق ہے، والدہ کا تین بار ذکر فرمایا اس کا مطلب والدہ ہمارے حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔

اگر کوئی نوجوان دیکھے کہ اس کے والدین غلام ہیں اور وہ اس کو خریدے اور خریدنے کے بعد آزاد کردے تو بھی وہ ماں باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اگرچہ ماں باپ کو خرید کے اس نے آزاد کیا اس عمل کے باوجود وہ اپنے ماں باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ نے اپنی والدہ کو حج کروایا اور حج کے بعد وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی والدہ کو اس طرح حج کرایا کہ پورا حج میں نے ان کی معذوری کی وجہ سے ان کو اپنی کمر پر بٹھا کر کروایا، کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں جب تم والدہ کے پیٹ میں تھے اور تمہاری ولادت ہونے کا وقت تھا اس وقت تمہاری والدہ کو جو درد محسوس ہوئی تھی ہوسکتا ہے اس درد میں سے کسی ایک درد کا بدلہ تم نے چکا دیا ہو۔

کئی ہزار بوڑھوں کا انٹرویو لیا گیا کہ آپ اپنے بچوں کے اندر کیا چیز دیکھنا چاہتے ہیں تو سب کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم چاہتے ہیں ہمارے بچوں کے اندر Patience (صبر) زیادہ ہونا چاہئے، نوجوان جلد بازی کرتے ہیں بات نہیں سنتے آدھی بات سنی اور جواب دے دیا جب کہ والدین یہ چاہتے ہیں کہ بچے صبر کے ساتھ بات کو سنیں اور جواب دیں، ہزاروں بوڑھوں نے اپنے انٹرویو میں یہی جواب دیا کہ میرے بچوں میں Patience زیادہ ہونا چاہئے۔

بنی اسرائیل کا ایک مشہور واقعہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ ان کے گناہوں کے کفارے کے لئے یہ ایک گائے کو ذبح کریں، اس کا رنگ اور عمر بھی بتائی گئی اور اس گائے کو ڈھونڈنے کے لئے لوگ نکلے تو وہ

گائے کسی ایک بندے کے پاس تھی اور اس نے بڑی قیمت مانگی اب کیوں کہ اس کو ذبح کرنا ہی تھا اس لئے اس کو منھ مانگی قیمت دیکر حاصل کیا تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی مہنگی گائے خریدنے کی وجہ یہ تھی کہ جس نوجوان کے پاس یہ گائے تھی وہ اپنے والدین کا بڑا احترام کرتا تھا اس احترام کی وجہ سے اللہ نے اس کی گائے کو ذبح کے لئے متعین فرمایا تا کہ بچے کو اپنے اکرام کی وجہ سے منھ مانگی قیمت مل جائے گی اور اس کو رزق کی آسانی ہوجائے گی تو ماں باپ کے اکرام کی وجہ سے اللہ نے رزق میں آسانی فرمادی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی، بہت سوچنے اور سمجھنے والی بات ہے کہ اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام جو میرا نافرمان ہو مگر ماں باپ کا فرمانبردار ہو میں اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہوں اور جو میرا فرمانبردار ہو اور اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو تو میں اس کا نام نافرمانوں میں لکھ دیتا ہوں۔

بعض نوجوان پریشانی میں ہوتے ہیں کہ وہ دینی مجالس میں آنے کی وجہ سے دینی زندگی اختیار کر لیتے ہیں اور ماں باپ کی طرف سے ان کو مدد نہیں ملتی بلکہ ماں باپ سختی کرتے ہیں، یہ نوجوان بڑی مشکل میں ہوتے ہیں اب ان نوجوانوں کو چاہئے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ Rude (غیر مہذب) نہ بنیں بلکہ صبر کریں؛ یہ صبر کا موقع ہے ماں باپ کی سختی پر صبر کریں اور اللہ سے دعائیں مانگیں تا کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل میں محبت بڑھادے اور وہ سختی کرنا چھوڑ دیں، کئی نوجوان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ سے سختی سے بات کرتے ہیں ، جھگڑا کرتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے ، ماں باپ کو اللہ نے جو مقام و مرتبہ دیا ہے اس کو سامنے رکھیں۔

والدین کی نافرمانی کا وبال

حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام منبر پر چڑھنے لگے تو فرمایا آمین پھر فرمایا آمین پھر فرمایا آمین، صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب علیہ السلام آج یہ کیا معاملہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر تین بددعائیں کیں اور میں نے تینوں بددعاؤں پر آمین کہی اب آپ غور کریں کہ ماں جتنی بھی بچے سے ناراض ہو لیکن بچے کو بددعا نہیں دیتی، اللہ کے حبیب علیہ السلام امت کے اوپر بہت رحیم و کریم تھے اس لئے آپ تو بددعا کے اوپر آمین نہیں فرما سکتے تھے لیکن یہ کام تھے ہی ایسے کہ آپ علیہ السلام نے بھی اس بددعا پر آمین فرمائی وہ تین بددعائیں کونسی تھیں، جبریل علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے حبیب علیہ السلام ہلاک ہوجائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس نے اپنی بخشش نہ کروائی میں نے کہا آمین، اسلئے کہ رمضان میں جو بندہ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرتا ہے اللہ اس بندے

کو اپنے در سے خالی نہیں لوٹاتے اور جو رمضان کے اس مہینہ میں بھی اپنی بخشش نہ کرواسکا یہ تو بہت شقی انسان ہے تو نبی علیہ السلام نے اس پر آمین فرمادی۔ دوسری بات حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمائی کہ ہلاک ہوجائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے بوڑھے ماں باپ زندہ ہوں اور اس نے ان کی خدمت کر کے اپنی مغفرت نہ کروائی آپ علیہ السلام نے فرمایا آمین۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ ہلاک ہوجائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا نام آئے اور وہ درود نہ پڑھے۔ تو سوچئے ماں باپ کو بڑھاپے میں پانا اور پھر اپنی بخشش نہ کروانا یہ کتنا بڑا جرم ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ تین طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے، یعنی تین گنہگار ایسے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ان کا چہرہ دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے ان میں سے ایک جو ماں باپ کا نافرمان ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھیں گے یہ اتنا بڑا گناہ ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ چار بندے کبھی جنت میں نہیں داخل ہوں گے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ جہنم میں گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر جنت میں، حدیث پاک ہے کہ وہ جنت میں داخل ہی نہیں ہوں گے ایک سود کھانے والا، دوسرا شراب پینے ولا، تیسرا یتیم کا مال کھانے والا اور چوتھا ماں باپ کا نافرمان انسان یہ چار بندے جنت میں کبھی داخل نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سات بندوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان سات میں سے ایک وہ ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، کئی گناہ ایسے ہیں کہ جن کی سزا آخرت میں ملتی ہے لیکن ماں باپ کی نافرمانی ایسا گناہ ہے کہ آخرت میں تو سزا ملے گی ہی لیکن دنیا میں بھی اللہ اس کی سزا دیتے ہیں اس کو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ عبرت کا نشان بناتے ہیں۔

اِن چیزوں سے احتراز کریں!

ایک اور ریسرچ سن لیجئے Eight things not to do۔ وہ آٹھ باتیں جن سے ماں باپ کو بہت تکلیف پہونچتی ہے وہ نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ بیٹا باپ سے بات کررہا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ How you can not remember that آپ کو کیسے یہ بات یاد نہیں! یہ جملہ کبھی نہ بولیں چونکہ اگر بڑھاپے کہ وجہ سے یادداشت کم ہوچکی ہے تو یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے اگر آپ ان کو یاد دلائیں گے تو ان کو دکھ ہوگا تو ماں باپ کو کبھی نہ کہیں کہ آپ کو یہ بات کیوں یاد نہیں ہے۔

دوسری بات اس کو یہ کہنا کہ you could do that if you tried (آپ اگر کوشش کرتے تو یہ کام کرسکتے تھے) تو ماں باپ کو یہ تجویز دینے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کو دکھ ہوتا ہے اس بات

سے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑھاپا ایسی بیماری ہے کہ بندہ بتا بھی نہیں سکتا کہ مجھے کہاں تکلیف ہے، کئی مرتبہ تو پورا جسم ہی تکلیف کی حالت میں ہوتا ہے، حتی کی ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں لائٹ آن کروں؛ تو اس کو اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اٹھ کر بجلی کا بٹن دبا سکے حالانکہ کتنا چھوٹا کام ہے، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کئی مرتبہ ایسا بھی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اگر بچہ کہے گا کہ اگر آپ تھوڑی سی ہمت کرتے تو آپ ایسا کر سکتے تھے، تو اس سے ماں باپ کو دکھ ہوتا ہے، تکلیف پہونچتی ہے ایسی بات نہیں کرنی چاہئے۔

ایک فقرہ I showd you yesterday how to use this machine مثلا باورچی خانہ کی کوئی مشین ہے یا کوئی موبائل فون ہے جس کے بارے میں آپ نے اپنے ماں باپ کو یہ بتایا کہ آپ کو اس طرح استعمال کرنا ہے اب اگر وہ پھر دوبارہ آپ سے پوچھتے ہیں تو آپ ان کو یہ نہ کہیں کہ میں آپ کو کل بتا چکا ہوں کہ اس مشین کو کیسے استعمال کرنا ہے؟ بلکہ وہ اگر دوبارہ پوچھیں تو ان کو دوبارہ بتا دینا چاہئے۔

ایک اور فقرہ کہ daddy you already told me that کئی مرتبہ ماں باپ کوئی بات کرتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے یہ بات کہی یا نہیں کہی تو دوبارہ پھر اس کو دہرا دیتے ہیں تو بچے تنگ ہوتے ہیں کہ آپ پہلے بھی تو کہہ چکے ہیں، ارے اگر کہہ چکے ہیں اور دوبارہ کہہ دی تو کیا نقصان ہو گیا آپ کو دوبارہ سن لینا چاہئے۔

انگریز معاشرہ میں تو نوجوان اپنے ماں باپ سے بہت عجیب عجیب باتیں کر لیتے ہیں چنانچہ ریسرچ میں انہوں نے لکھا کہ ہزاروں بوڑھوں کا جب انٹرویو لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں بچے کی اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ اس نے مجھ سے کہا کہ I want your property after you die (آپ کے مرنے کے بعد فلاں جائداد میری ہوگی) تو بچے کی اس بات سے ماں باپ کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کو ہم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی نظر ہمارے پیسے پر ہے۔ مسلمان معاشرہ میں تو عام طور پر بچے ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں الّا یہ کہ کوئی بہت بگڑا ہوا نوجوان ہو مگر کفر کے معاشرے میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔

کئی مرتبہ بوڑھے لوگ بچوں کے نام بھول جاتے ہیں ان کے لئے بچوں کے نام یاد رکھنا مشکل ہو جاتے ہیں تو وہ نام الٹا لے لیں گے یا بدل کے لے لیں گے تو اس پر غصہ کا اظہار نہ کرنا چاہئے کہ ہم نے آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ میری بیٹی کا یہ نام ہے آپ یہ کیوں پکار رہے ہیں، یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے ان پر خفا نہ ہونا چاہئے اس سے ان کو بہت تکلیف پہونچتی ہے۔

ریسرچ کا آخری پوائنٹ کہ ماں باپ کو رسوانہ کریں کہ آپ کی وجہ سے ایسا ہو گیا آپ نے ایسا کیا اس لئے ایسا ہو گیا آپ اگر ایسا نہ کرتے تو ایسا نہ ہوتا تو ماں باپ کو بڑھاپے میں کبھی رسوانہ کریں اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ماں باپ کے اوپر اگر کسی شخص کو پیسا خرچ کرنے کا موقع ملے تو اس کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی میں یہ سعادت بخشی کہ میں اپنے ماں باپ پر اپنا کچھ پیسا خرچ کر رہا ہوں ، چاہے ان کے علاج میں کریں چاہے ان کی ضروریات زندگی پر خرچ کریں ،اس کو اپنی سعادت سمجھیں ،خرچ بھی کریں اور الٹا ان کے احسان مند بھی ہوں کہ انہوں نے ہم سے یہ خدمت لے لی ہے صرف پیسے کی بات نہیں ہوتی بلکہ پیسے کے ساتھ جو Emotions ہوتے ہیں وہ بہت اہم ہوتے ہیں۔

ایک نوجوان کا واقعہ

ایک واقعہ ہے کہ ایک نوجوان نے سوچا کہ میرے ماں باپ دو سو میل دور رہتے ہیں ،اس لئے میں ایک پھولوں کا گلدستہ لیکر آج ان کو پوسٹ کر دیتا ہوں ، جب ان کو پھول ملیں گے اور اس کے اوپر میرا نام لکھا ہوگا تو ان کا دل بہت خوش ہوگا اب یہ نوجوان پھولوں کی دکان پر پھول لینے کے لئے گیا اس نے ماں باپ کو بھیجنے کے لئے ایک اچھا سا گلدستہ ڈھونڈ لیا جب نکلنے لگا تو اس نے ایک چھوٹی بچی کو دیکھا جو تین چار سال کی تھی اور وہ رو رہی تھی اس نے بچی سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہاں میں اپنی امی کو پھول دینا چاہتی ہوں اور پھولوں کا گلدستہ دو ڈالر کا ہے اور میرے پاس صرف ایک ڈالر ہے اس لئے میں رو رہی ہوں ،اس نوجوان نے کہا کہ کوئی بات نہیں ایک ڈالر میں دے دیتا ہوں تم پھول لیکر اپنی امی کو جا کر دو تو بچی وہ پھول لیکر خوش ہوگئی جب بچی نے بھی پھول لے لئے اور وہ بھی نکلنے لگی اور نوجوان بھی نکلنے لگا تو نوجوان نے کہا کہ تم کہاں جاؤ گی میرے پاس گاڑی ہے میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں تو بچی نے کہا ٹھیک ہے آپ مجھے چھوڑ دیں تو اس نوجوان نے اس بچی کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا لیا اور پوچھا کہ تم نے کہاں جانا ہے ،اس لڑکی نے آبادی کے بجائے شہر کے باہر کی جگہ بتائی ،نوجوان گاڑی چلاتا رہا چلاتا رہا تھوڑی دیر کے بعد قبرستان آ گیا ، وہ لڑکی گاڑی سے اتری اور ایک قبر پر گئی اور اس نے وہ پھول اس قبر کے اوپر رکھے اور اس نے اس کو بتایا کہ یہ میری ماں ہے یہ چند دن پہلے فوت ہوگئی اب مجھے جب بھی کچھ پیسے ملتے ہیں میں ان کے پھول خریدتی ہوں اور اپنی ماں کی قبر پر آ کے رکھتی ہوں تو جب بچی نے بتایا تو اس نوجوان کو خیال آیا کہ میں تو اپنی ماں کو گلدستہ ڈاک کے ذریعہ بھیج رہا تھا اور یہ بچی اپنی مردہ ماں کی قبر پہ آ کر پھول رکھ رہی ہے مجھ سے تو یہ بہتر

ہے، کیوں نہ میں اپنے ماں باپ کو خود جا کر پھول پیش کروں چنانچہ اس بچے نے دوسو کلومیٹر کا سفر کیا اور اپنے ماں باپ کو پھول جب اپنے ہاتھوں سے پیش کئے تو اس کو ماں باپ کی دعائیں ملیں اور ان کا دل خوش ہوا، تو پیسہ بھی خرچ کریں اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کریں تا کہ ان کے دلوں کو خوشی نصیب ہو۔

بعض نوجوان ایسے مسائل میں پڑ جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ Rude ہوجاتے ہیں اور ہمارا اکثر یہ تجربہ ہے کہ یہ وہ نوجوان ہوتے ہیں جو الٹی سیدھی محبتوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور ان کی بیوی ہوتی ہے وہ ان کو ماں باپ کا دشمن بنا دیتی ہے تو وہ ماں باپ سے ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے کسی دشمن سے کرتے ہوں یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے کہ کسی بیوی کے کہنے سے اپنے ماں باپ کے تعلق کو توڑنا یا سلسلہ منقطع کرنا یہ بہت بری بات ہے، یہ ذہن میں رکھئے گا کہ جو بچہ ماں باپ کا احترام کرے گا اللہ اسکو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے کہ جو اولاد اس کا احترام کرے گی یہ سو فیصد پکی بات ہے جو اپنے ماں باپ کی خدمت کرے گا اللہ اس کو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے جو اسکی خدمت کرے گی اور اگر یہ ماں باپ کا دل دکھائے گا تو اس کو اللہ ایسی اولاد دیں گے جو اس کا دل دکھائے گی۔ اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا آخرت میں تو ملے گی، دنیا میں بھی مل کے رہتی ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

ہمارے ایک قریبی جاننے والوں میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے وہ کہنے لگے، حضرت! میں آپ کو اپنا واقعہ سناؤں، میں نے کہا سنائیں! کہنے لگے کہ ہمارے ہاسپٹل میں ایک نوجوان دیہاتی لڑکا آیا دیکھنے میں بڑا مضبوط لگتا تھا لیکن اس کو ایک ایسی بیماری تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد اس کو محسوس ہوتا کہ میرا گلا دب رہا ہے اور وہ زار وقطار روتا اور کہتا کہ مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے، ڈاکٹر صاحب کہنے لگے جب میں نے اس کو آنکھوں سے روتا اور تڑپتا ہوا دیکھا تو مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہوئی، میں اس کی بیماری کو ٹھیک کرنے میں لگا رہا، میں نے پورا دن اس کی تیمارداری کی اور اس کی بیماری کے لئے دَوا ڈھونڈتا رہا، اتنے میں اس نوجوان کا باپ بھی اس سے ملنے کے لئے آ گیا، جب اس کے والد نے دیکھا کہ میں اس کے بچے کا بڑا خیال رکھ رہا ہوں اور اسٹاف سے بھی کہہ رہا ہوں کہ یہ چیک کرو وہ چیک کرو، یہ دوا دو، اس کے بعد یہ دوا دو، وغیرہ، وغیرہ۔ اس نے سوچا میں بہت اچھا علاج کر رہا ہوں، تو اس کے والد نے کہا کہ تمہیں اس نوجوان کے لئے اتنا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کہنے لگے کہ میں نے باپ سے پوچھا کہ کیوں

ضرورت نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا اپنا کیا اس کے سامنے آرہا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اس نے Love marriage (محبت کی شادی) کر لی تھی اور وہ عورت اچھی نہیں تھی اس کی ماں سمجھاتی تھی کہ بیٹا تمہاری بیوی کا کردار اچھا نہیں ہے، تم نے کہاں جان پھنسالی ہے؟ لیکن یہ محبت میں ایسا گرفتار تھا کہ اپنی ماں کو ڈانتا تھا کہ میری بیوی کے بارے میں خبردار اگر کوئی بات کی اور آخر میں اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ امی اگر آپ میری بیوی کے بارے میں بات کریں گی تو میں آپ کا گلا دبا دوں گا، تو یہ چونکہ اپنی ماں کو کہتا تھا اس لئے اللہ نے اس کو دنیا ہی میں اس گناہ کا انجام دکھا دیا کہ ایسی بیماری لگی کہ خود اس نوجوان کا گلا دبتا تھا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ
جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ماں باپ کا ادب کرنے کی، ان کی خدمت کرنے کی اور ان کا دل خوش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کو نیکی اور دین والی زندگی عطا فرمائے، تاکہ وہ دین کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں، معاون بنیں اور ہمارے لئے وہ دعائیں مانگیں تاکہ ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

ایک نوجوان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے والدہ زندہ ہیں؟ اس نے فرمایا کہ نہیں میری والدہ تو فوت ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خالہ زندہ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! خالہ زندہ ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اپنی خالہ سے دعا کرواؤ، اس کی دعا پر اللہ تمہارے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادیں گے، اب بتائیں کہ اگر ماں کی بہن کی دعا بھی اتنی قبول ہوتی ہے تو خود اس کی ماں کی دعا کتنی قبول ہوتی ہے۔

اس لئے خوش نصیب ہیں وہ نوجوان جو اپنی جوانی میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی سعادت پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نوجوانوں کو اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، اللہ کرے کہ وہ جلدی توبہ کر لیں اور اس گناہ کی سزا سے دنیا میں بھی بچیں اور آخرت میں بھی بچیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

ترتیب وپیشکش: بلال احمد خان، بلال سجاد نعمانی

اگر اب بھی نہ جاگے تو۔۔۔

[۲/ اگست ۲۰۱۵ء میں جامع مسجد، اندرا نگر لکھنؤ میں ایک کثیر مجمع کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مدیر الفرقان نے مسلمانانِ ہند کو درپیش نئے چیلنجز اور ان کے مقابلے کی تدبیروں پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی، ذیل میں حضرت مدیر الفرقان کی نظر ثانی اور کچھ حذف واضافہ کے ساتھ وہی خطاب نذر ناظرین کیا جا رہا ہے ——— بلال سجاد نعمانی]

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ

﴿المائدة: ۱۰۵﴾

یہ زندگانی ہے کیا، کبھی خوشی کبھی غم
کبھی خشک کبھی نم، کبھی سرد کبھی گرم

ایک شخص زندگی میں مختلف حالات اور مختلف مرحلوں سے گزرتا ہے بچپن کا مرحلہ، نوجوانی کا مرحلہ، جوانی کا مرحلہ، ادھیڑ عمر کا اور بڑھاپے کا مرحلہ اور پھر زندگی کا اختتام۔ اسی طرح ہر شخص مختلف حالات سے گزرتا ہے: کبھی وہ خوش ہوتا ہے اور کبھی غمگین، کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام، کبھی تندرست ہوتا ہے، کبھی بیمار، کبھی میزبان ہوتا ہے اور کبھی مہمان، کبھی مقیم ہوتا ہے اور کبھی مسافر، کبھی اس کے گھر میں کسی بچے کی ولادت ہوتی ہے، کبھی اسکے گھر سے کسی کا جنازہ نکلتا ہے، کبھی روزی کی فراوانی ہوتی ہے، کبھی روزی کی تنگی، اسی طرح کے اور بھی حالات تقریباً ہر انسان کی زندگی میں گزرتے ہیں۔

زندگی کے ہر مرحلے اور ہر حال کے بارے میں قرآن کی رہنمائی

ادنیٰ سے مبالغہ اور ڈر کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہر شخص کی زندگی کے ہر حال اور ہر مرحلہ کے بارے میں قرآن مجید میں بڑی خوبصورت آسان اور بہت فطری guidance (رہنمائیاں) موجود ہیں یہ الگ بات ہے کہ آج کے دور میں بہت کم لوگ قرآن مجید کو ایک Guidance کے طور پر مانتے اور اس سے استفادہ کرتے ہیں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنی زندگی کے الگ الگ حال میں اور الگ الگ Stages (مراحل) میں قرآن مجید سے معلوم کریں کہ میری زندگی کے اس حال کے بارے میں قرآن کیا ہدایت دیتا ہے؟ جو انسان اپنی زندگی کے ہر حال اور مرحلے کے لئے قرآن مجید سے رہنمائی لینے لگے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے لگے وہی انسان سمجھدار انسان ہے، وہی انسان کامیاب انسان ہے؛ ورنہ قرآن مجید سے پوچھے بغیر اور قرآن میں تلاش کئے بغیر جو انسان بھی اپنی زندگی کا کوئی بھی حال گزارے گا اور کسی بھی مرحلے سے گزرے گا وہ بہت ٹھوکریں کھائے گا۔

یہی حال قوموں کا ہوتا ہے قومیں بھی مختلف مرحلوں سے گزرتی ہیں اور قوموں کی زندگی میں بھی مختلف حالات آتے ہیں ایک قوم اپنی ابتدائی زندگی میں کمزوری کے حالات میں ہوتی ہے، چاروں طرف سے اس کو دوسری قومیں گھیرے ہوئی ہوتی ہیں اور اس کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں، اسے خوف میں ڈر میں مبتلا کرتی ہیں، ظلم وستم کرتی ہیں پھر اگر کوئی قوم اللہ کی رہنمائی میں ان حالات کا مقابلہ کرتی ہے، ان کٹھن مرحلوں سے گزرنے کی کوشش کرتی ہے، تو پوری تاریخ کا ہر مرتبہ کا تجربہ ہے کہ جس قوم نے اپنی ابتدائی کمزوری کی زندگی میں اللہ کی رہنمائی کے مطابق اس کمزوری کے مرحلے کو گزارنے کی کامیاب کوشش کرلی، اس قوم کو مضبوط قوم بننے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکی۔ تاریخ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

قوم کی زندگی میں پھر ایک مرحلہ آتا ہے کہ وہ مضبوط ہوتی ہے، طاقتور ہوتی ہے، حکومت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دولت اور وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی اس کو دنیا میں عزت ملتی ہے اقتدار ملتا ہے، اور دنیا کی مختلف قومیں اس کے پیچھے چلنے لگتی ہیں، تو یہ ایک مرحلہ ہوتا ہے قوموں کی زندگی میں بڑا کٹھن مرحلہ اور حقیقت کو سمجھنے والے لوگ کہہ سکتے ہیں یہ پہلے دور کے مقابلے میں یہ دور زیادہ سخت امتحان کا ہوتا ہے اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب بھی کوئی قوم حکومت اور دولت کے نشے میں آکر ظلم کرتی ہے اور حکومت اور دولت کو صحیح استعمال نہیں کرتی کچھ مدت کے بعد اس قوم کا زوال آجاتا ہے اور وہ ماضی کا ایک قصہ اور تاریخ کا حصہ

بن جاتی ہے اور اگر کوئی قوم اپنی دولت وطاقت کو صحیح استعمال کرتی تو جب تک وہ صحیح استعمال کرتی ہے اس کا عروج زوال سے نہیں بدلتا اس کی عزت ذلت سے نہیں بدلتی اور وہ آگے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

قوموں کی زندگی کے بارے میں بھی قرآن مجید میں بڑی تفصیلی ہدایات ہیں، جو قوم اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہے اور اس قوم کے اندر یہ سمجھ عام ہو جاتی ہے کہ ہمیں قرآن مجید کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق اپنی زندگی کے مختلف مرحلے اور حالات سے گزرنا ہے؛ وہ قوم چمک جاتی ہے، مضبوط اور محبوب بن جاتی ہے، معزز اور طاقتور بن جاتی ہے اور جب کوئی قوم قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کے برخلاف زندگی گزارتی ہے یا ان کے اصولوں کے برخلاف حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس قوم کی تباہی یقینی ہے۔

آج کا عنوان

محترم بھائیو اور بہنو! اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مختلف مرحلوں سے گزرتی ہوئی اور مختلف حالات سے گزرتی ہوئی آج اپنی تاریخ کے ایک انتہائی سخت مرحلے سے گزر رہی ہے انتہائی نازک حالات اور شدید امتحان اور آزمائش کے دور سے گزر رہی ہے، مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ اس کا دارومدار زیادہ تر خود ہم مسلمانوں کے اجتماعی اور قومی فیصلے پر ہے، اس کا دارومدار ہمارے اور آپ کے اور ہم میں سے ایک ایک کے اپنے فیصلے، اپنے شعور پر، اپنے ارادے، اپنی ہمت اور اپنے حوصلے پر ہے۔

قوموں کا عروج وزوال

قوموں کا مستقبل کوئی دوسری قوم کبھی طے نہیں کرتی، یہ سوچنا بہت غلط ہے کہ فلاں قوم ہم کو نقصان پہنچاتی ہے اور فلاں قوم ہم کو ترقی دے سکتی ہے۔ یہ انتہائی جاہلانہ سوچ اور اس دنیا میں بنائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مستحکم قانون کے برخلاف بات ہے۔ قوموں کی مضبوطی اور قوموں کی کمزوری قوموں کا عروج اور قوموں کا زوال ان قوموں کے افراد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ میں جب لفظ ''قوم'' بولوں تو آپ میں سے کوئی یہ نہ سوچنے لگے کہ ہاں مسلمان قوم کا تذکرہ ہو رہا ہے، امت کا تذکرہ ہو رہا ہے، بلکہ بات کو اِس انداز سے لیں کہ یہ تذکرہ ہم میں سے ایک ایک کا ہو رہا ہے، میرے گھر کے ایک ایک فرد کا ہو رہا ہے، میرا اپنا ہو رہا ہے، ہم سب سے ہی تو یہ امت بنتی ہے، امت ہمارا اور آپ کا ہی اجتماعی نام ہے۔

حالات کو سمجھیں! یہ عام حالات نہیں ہیں۔

اب میں اپنے ملک میں جو ہم مسلمانوں پر حالات ہیں ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اس میں کوئی

شک نہیں ہے کہ حالات ہم پر بہت زمانے سے سخت ہیں، لیکن اب سختی کا جو مرحلہ ہے، اس جیسا مرحلہ شاید اب تک بہت زمانے سے نہیں آیا تھا، ہماری قوم کے ایک ایک فرد سے اور خصوصاً نئی نسل کے ہر بچے اور بچی سے ایمان کو چھین لینے کا بھرپور ارادہ اور بھرپور سازش اس وقت کی جارہی ہے، ایمان کو چھین لینے کی جو کوششیں اور سازشیں ہو رہی ہیں ان سے ہم لوگوں کو واقف ہونا چاہئے تاکہ ہمارے دل میں غیرت جاگے اور ہم بھی ایک فیصلہ کریں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہم سے ایمان کو نہیں چھین سکے گی۔

جو نصاب تعلیم اور نظام تعلیم پہلے سے ہی چل رہا ہے آزادی کے بعد سے ہی اس میں اس بات کی بڑی زبردست کوشش کی جارہی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والا کوئی بھی مسلمان بچہ اور بچی اسلام سے تو بالکل واقف ہونے نہ پائے؛ البتہ وہ برہمنی عقائد اور ویدک دھرم سے اتنا واقف ہو کہ وہ اس کے اندر اتر جائے۔ یہ کوشش آزادی کے بعد سے ہی شروع کی گئی، لیکن اب وہ کوشش اپنی آخری طاقت لگا کر کی جارہی ہے، کیونکہ کچھ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایسا موقع آئندہ پتہ نہیں ہم لوگوں اب ملے گا کہ نہیں ملے گا جیسا اس وقت ملا ہوا ہے اس لئے وہ طرح طرح کے بہانوں سے ہم سے اور ہمارے بچوں سے کسی نہ کسی طرح شرک کروانا چاہتے ہیں، وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے ایک مسلمان سے شرک کروالیا۔ اور اب اس سے آگے بڑھ کر جو تازہ ترین خبریں ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ اس طرح کی کوشش کررہے ہیں کہ جن جن جگہوں سے جن جن راستوں سے اس ملک کے مسلمانوں کو ایمان مل رہا ہے اور ان کا ایمان باقی ہے جس درجہ بھی ہو اور ان کا رشتہ قرآن سے، کلمہ سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، مکہ اور مدینے سے جڑا ہوا ہے کسی طرح اس رشتہ کو توڑا جائے۔ چنانچہ مدرسوں اور مکتبوں کے خلاف قانون بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود مسلمانوں کا بچہ کہیں نہ کہیں مدرسوں اور مکتب میں جاتا ہے، قرآن پڑھتا ہے، کچھ اردو زبان پڑھ لیتا ہے، کوئی اسلام کی کتاب پڑھ لیتا ہے، اسکولوں اور کالجوں سے تو ہم نے نکال دیا مدرسوں اور مکتب کا کیا کریں تو اب اس بات کی سنجیدہ کوشش ہو رہی ہے۔

ان کو یہ بھی اندازہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں تبلیغ کی محنت کا بہت بڑا دخل ہے، وہ اس بات کی بھی اب تدبیریں سوچ رہے ہیں کہ اس کام کو بھی اب روکا جائے اور پابندی لگائی جائے، ایک مرحلہ پر تو انھوں نے کوئی نیا حکم جاری بھی کردیا اور اس کے آگے کے بارے میں قانونی شکلیں سوچی جارہی ہیں کہ کیا شکل ہوسکتی ہے۔

خوف اور ڈر کا کاروبار

ایک اور حربہ استعمال کیا جاتا ہے، کسی قوم کی ہمت توڑ دینے کا ؛ کہ اس کو خوف زدہ کر دیا جائے اس کو مایوس کر دیا جائے اور ایک یہ احساس عام کر دیا جائے کہ اب کچھ ہو نہیں سکتا، بس اپنی جان بچا کر چپ چاپ کماؤ، بچوں کو دیکھو اور کچھ مت دیکھو! جس قوم کا یہ مزاج بن جائے اس کو تباہ کرنے کے لئے کسی دشمن کی ضرورت ہی نہیں۔ قوموں کی جو لڑائیاں ہوتی ہیں اور قوموں کے جو مقابلے ہوتے ہیں وہ اصل میں ہمت اور حوصلے ہی سے جیتے یا ہارے جاسکتے ہیں، ایک قوم جو تعداد میں کمزور ہو محکوم ہو وسائل اور دولت میں بھی کم ہو؛ لیکن اس کے پاس یقین کی اور ہمت کی طاقت ہو اور ارادہ مضبوط ہو، اس قوم کے ایک ایک فرد کا ارادہ ہو کہ جس دین اور تہذیب کو تم ہم سے چھیننا چاہتے ہو اسے ہم سے چھین نہ پاؤ گے، پھر دنیا کی کوئی قوم بدترین ظلم کر کے بھی اس قوم سے اس کا دین اور ایمان نہیں چھین سکتی۔

قومی فیصلہ؛ ایک مثال ماضی قریب سے

پچھلے زمانے کے واقعات تو آپ سنتے رہتے ہیں اس لئے میں اس دور کا ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جس قسم کے حالات ہمارے ملک میں اس وقت ہیں یا آئندہ آنے کا شدید خطرہ ہے اس سے بہت زیادہ سخت حالات ہمارے اسی دور میں اس علاقے کے کروروں مسلمانوں پر گزرے جس کو Soviet Union کہا جاتا تھا، ترکستان، قزاقستان، ازبکستان، تاجکستان، یہ سنٹرل ایشیا کے ممالک؛ یہ وہ ممالک ہیں جہاں کبھی امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہم ہوا کرتے تھے، یہ وہ علاقے تھے جہاں سے پوری امت کی دینی علمی روحانی قیادت ہوتی تھی، لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی نوجوان نسل، جو نئی مغربی تہذیب سے آشنا ہوئی تھی وہ دیوانی ہوگئی، وہی فلمیں، وہی لہوولعب، وہی زنا وہی شراب، وہی ڈرگس اور پھر اس قوم کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے نوجوانوں نے اپنے علماء کا مذاق اڑانا شروع کیا اور علماء اور عوام الناس بالخصوص نوجوان نسل میں دوری بڑھتی چلی گئی، پھر آہستہ آہستہ وہ منزل آگئی کہ ایک ایسے گروہ کو وہاں پر مضبوط حکومت بنانے کا موقع ملا، جس نے قسم کھائی کہ پورے ملک کے ایک ایک کچے پکے گھر سے ایمان اور قرآن کو چھین کر رہنا ہے، وہاں جو حالات بنے ان کی سنگینی کا اندازہ آپ اس بات سے کیجئے، کہ یہ قانون بن گیا کہ جس شخص کو قرآن پڑھتے یا پڑھاتے ہوئے پایا گیا؛ اس کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے گا اور سزائے موت دی جائے گی۔ قرآن پڑھانے کے جرم میں سینکڑوں علماء کو پھانسی کی سزا دی گئی، اس طرح کے حالات علاقوں پر گزرے ہیں کہ شاید آپ کو یقین بھی نہ آئے۔۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سبق لینے کی توفیق دے۔ حالات جب اس رخ پر آئے تو اس قوم نے ایک اجتماعی فیصلہ کیا کہ کسی قیمت پر تم ہمارے ایمان اور قرآن کو نہیں چھین سکتے تم کو جو کرنا ہو کرلو لیکن ہم نہ ایمان چھوڑیں گے نہ قرآن چھوڑیں گے تو لوگوں نے اپنے ایمان اور قرآن کی حفاظت کے لئے جو جو کیا، اس میں آج دنیا کی تمام بے بس مسلم اقلیتوں کے لئے ایک زبردست حوصلے کا پیغام ہے!!

ہمت مرداں، مدد خدا

ظلم کی یہ چکی تقریباً ستّر سال چلی اور جیسا کہ ہمیشہ دنیا میں خدا کا بنایا ہوا سسٹم ہے کہ کچھ دن تک تو خدا مہلت دے دیتے ہیں لیکن پھر اس کے بعد مظلوم انسانوں کو ظلم سے چھٹکارہ دلا دیا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی سے ایسے عالمی حالات بنے کہ اس ملک سے وہ ظالم حکومت رخصت ہوئی، نظام بدلا اور نئے نظام کے مطابق لوگوں کو اس سختی سے چھٹکارہ ملا اور کچھ آزادی ملی، یعنی کہا گیا کہ لوگ اپنے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں، لوگ اپنی اپنی مسجدوں اور عبادت گاہوں کو آباد کر سکتے ہیں، اپنی مذہبی تعلیم بچوں کو دے سکتے ہیں، حکومت اس میں مداخلت نہیں کرے گی، جب یہ وقت آیا تو ان ملکوں کے کچھ علماء دوسرے ملکوں کے سفر پر نکلے، کچھ علماء، کچھ دین کے دردمند لوگ؛ وہ ایسے ملکوں کے سفر پر نکلے جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں، بلکہ اقلیت میں ہیں۔ تو انہوں نے سب سے پہلے ہمارے اسی ملک کا سفر کیا یہ دیکھنے کے لئے کہ یہاں کس طرح لوگ حکومت کی امداد کے بغیر اتنی بڑی آبادی کے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دیتے ہیں اور یہاں کے دینی مدارس کا نظام اور نصاب کیا ہے؟ وہاں سے جو علماء کا پہلا قافلہ آیا، اس سے میری ملاقات ہوئی اور میں تقریباً دس گیارہ دن ان کے ساتھ رہا۔ پہلی ہی ملاقات میں ایک عجیب انکشاف میرے سامنے آیا جس نے میرے ایمان کو بہت مضبوط کیا اور امید ہے کہ اس کو سن کر آپ سب کا ایمان اور حوصلہ مضبوط ہوگا۔ اللہ نے اس خطے کو تندرستی بھی خوب دی ہے اور حسن و جمال بھی خوب دیا ہے، علماء نے اپنے اس قافلے میں اپنے دو ایک نوجوان شاگردوں کو بھی لیا تھا، جو سترہ اٹھارہ سال کے خوبصورت نوجوان تھے، تو جب ہم لوگوں کی گفتگو شروع ہونے لگی؛ تو ان عالم نے کہا کہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید کی کچھ تلاوت کرلی جائے، میں نے کہا ضرور! انہوں نے ایک نوجوان بچے کو اشارہ کیا کہ بیٹا پڑھو تو سولہ سترہ سالہ بچے نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو میں نے تو کبھی اپنے ملک میں کسی بڑے سے بڑے قاری سے بھی ایسا قرآن نہیں سنا تھا، آنکھوں میں آنسو آگئے، روح وجد کرنے لگی، پھر دوسرے نوجوان بچے سے بھی انہوں نے قرآن سنوایا، اس نے بھی

اسی طرح کا قرآن پڑھا، تو پھر میں نے ان سے کہا کہ بات چیت تو بعد میں شروع ہوگی پہلے یہ بتائیں کہ ہم کو تو یہ معلوم تھا کہ آپ کے ملک میں اتنے سخت حالات ہیں کہ وہاں کوئی قرآن پڑھنا تو دور کی بات ہے قرآن کا ایک پیج بھی اگر کسی کے پاس مل جاتا تو یہ یہ سلوک کیا جاتا تھا، یہ بچے کیسے حافظ قرآن بن گئے؟؟ تو انہوں نے کہا کہ ابھی تو آپ دو بچوں کو دیکھ رہے ہیں اللہ کا شکر ہے، اور اسلام کی حقانیت کا ثبوت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدوں کا صدقہ ہے کہ ہمارے ہر گاؤں، ہر قصبہ میں ایسے سو پچاس حافظ ہیں۔۔ اللہ اکبر کبیرا!!! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ (جو صاحب مجھ سے بتا رہے تھے وہ مفتیٔ اعظم تاشقند تھے) ؟ انہوں نے کہا کہ میں احتیاط سے کہہ رہا ہوں جو بڑے بڑے علاقے ہیں؛ ہوسکتا ہے وہاں کئی سو حافظ وقاری مل جائیں!! آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ اتنے سخت حالات میں یہ سب کیسے ہوا؟

وہاں کے حالات وہیں کے ایک عالم کی زبانی سنانے کے لئے میں سمرقند کے ایک ممتاز عالم وخطیب مفتی غلام مصطفیٰ گل کی اس گفتگو کے کچھ حصے میں آپ کو سناتا ہوں جو انہوں نے عالم اسلام کی مشہور شخصیت حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم سے اس وقت کی تھی جب وہ ۱۹۹۲ء میں ان ممالک کے طویل سفر پر گئے تھے اور جس میں انہوں نے روس کے کمیونسٹ انقلاب کے مختلف مراحل کا حال کافی تفصیل سے بیان کیا تھا، اس گفتگو کا خلاصہ حضرت نقشبندی نے اپنے سفرنامہ ''لاہور سے تا خاک بخارا وسمرقند'' میں تحریر فرمایا ہے۔ انقلاب کے تیسرے مرحلے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نے مفتی غلام مصطفیٰ گل صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

> تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علماء کو بنایا ،ان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، پھانسی پر لٹکا دیا گیا علماء کا اتنا قتل عام ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعے اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں۔۔۔
>
> علماء کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد چوتھا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے، اس کے لئے انہوں نے نہ صرف قرآن اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی، بلکہ قانون بنایا کہ عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی۔۔۔ عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا۔۔ لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشہ کی مانند ہے۔ خدا

نے انسانوں کو پیدا نہیں کیا بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے۔۔۔''

یہ تو میں نے صرف چند جملے بطور مثال یہاں آپ کو سنا دیئے ہیں، ورنہ اس گفتگو کے حوالہ سے حکومت کے جن مظالم اور اسلام کو پوری طرح مٹا دینے کی جن زبردست کوششوں کا تذکرہ حضرت نقشبندی دامت برکاتہم نے کیا ہے وہ کافی تفصیلی ہے۔۔

۔۔۔حوصلہ چاہیئے وفا کے لئے!

تاشقند کے جن مفتی صاحب سے میں نے دریافت کیا تھا کہ آخر اتنے سخت حالات میں آپ حضرات قرآن کی تعلیم اپنے بچوں کو کیسے دیتے تھے؟ انہوں کہا کہ ہوا یہ جب اس طرح کی سختیاں شروع ہوئیں؛ تو ہمارے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن وایمان کی حفاظت پر مرمٹنے کے جذبہ کو جگا دیا اور ہم نے بھی یہ طے کرلیا کہ **''کم سے کم ہر گھر کا ایک بچہ تو حافظ قرآن ضرور بنے گا''**!!!

انہوں نے بتایا کہ ایسی ایسی ترکیبیں اللہ نے ہمارے دل میں ڈالیں کہ ہم خود کبھی نہیں سوچ سکتے تھے، ان میں سے ایک ترکیب میں اس وقت آپ کو سناتا ہوں!۔۔انہوں کہا کہ ہمارے یہاں ہر کچھ فاصلے پر ایک قبرستان ہوا کرتا ہے؛ ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم قبرستان میں ایک قبر کھودتے تھے اور ایک مصنوعی جنازہ لیکر جاتے تھے، جس کے اندر کوئی میت نہیں ہوتی تھی، اس کے ساتھ میں کچھ لوگ ہوتے تھے، اور دس بارہ بچے ہوتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ یہ جس کا جنازہ ہے اس کی فیملی کے لوگ ہیں، تدفین کرنے جارہے ہیں۔تو ہم لوگ قبر میں اتر کار پہلے اسے صاف کرتے تھے، پھر اس میں ایک استاذ اور آٹھ دس بچے موم بتی لیکر اتر جاتے تھے، اِس طرح قبر میں بیٹھ کر ان بچوں نے حفظ کیا ہے اور قبر میں بیٹھ کر سینکڑوں اور ہزاروں بچے حافظ بنے اور جب ہم کو یہ شبہ ہوتا کہ کوئی اجنبی آدمی قبرستان میں آرہا ہے تو ہم کو اس کی اطلاع ہوجاتی تھی اور ہم فوراً بچوں اور استاذ کو قبر سے نکال لیتے تھے اور جلدی جلدی قبر کو بند کر کے مٹی ڈالنا شروع کردیتے تھے: آنے والا اجنبی یہ سمجھتا تھا کہ انہوں نے ابھی ابھی کسی کو دفن کیا ہے؛ تو وہ تعزیت کے دو ایک جملے کہہ کر چلا جاتا تھا اور جب ہم کو اطمینان ہوجاتا تھا کہ وہ چلا گیا، تو ہم پھر قبر کو کھولتے تھے اور اس کے اندر صفائی کر کے ان بچوں کو پھر اتارتے تھے، کبھی رات بھر قبر میں بیٹھ کر وہ استاذ اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتا تھا، رات میں کسی کے آنے کا امکان کم ہوتا تھا، تو ہمارے کچھ بچے رات میں بیٹھ کر قرآن حفظ کرتے تھے۔۔اس طرح ہمارے ملک میں قرآن اور ایمان کی حفاظت ہوئی ہے۔

ہمارے حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی ملاقات اسی سفر میں ایک اور ۹۳ سالہ بزرگ عالم سے ہوئی تھی جو پورے دور انقلاب میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے، حضرت کے دریافت کرنے پر کہ اس سخت ترین دور میں آپ نے کیسے یہ خدمت انجام دی؟ انہوں نے کہا:

”میں گھر میں ایک کمرہ اس طرح بناتا کہ جس کی دوہری دیواریں ہوتیں، دونوں دیواروں کے درمیان ۶-۷ فٹ کا فاصلہ ہوتا، اس میں رضائیاں وغیرہ بھر کر اندر کے کمرے کو ساؤنڈ پروف بنا دیتا، میں طلبہ کو لیکر کمرے میں داخل ہو جاتا اور باہر کے لوگ اس دروازہ کو لکڑی سے بند کر دیتے اور اس کے آگے فرنیچر وغیرہ لگا دیتے، ہم پوری پوری سردیوں کا وقت اندر گذار دیتے۔۔۔۔۔مجھے بعض اوقات چار چار مہینے تک اپنے گھر کا صحن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔۔۔“

آج پوری قوم کو اجتماعی فیصلہ کرنا ہوگا!

کیا ہندستانی مسلمان اس طرح کا کوئی فیصلہ کریں گے؟ یہ وقت بتائے گا جو آ گیا ہے، اگر ہم نے اجتماعی فیصلہ کر لیا کہ ہم مایوس نہیں ہوں گے، ہم ناامید نہیں ہوں گے، ہم اپنے دین و ایمان سے تعلق کو اور بڑھائیں گے، ہم کلمہ کو نہیں چھوڑیں گے، ہم کوئی شرک والی رسم؛ وہ چاہے ”یوگا“ ہو، چاہے ”سوریہ نمسکار“ ہو یا کوئی اور مشرکانہ بات ہم اسے کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ نہ اپنے کسی بچہ کو ایسے کسی اسکول میں جانے دینگے بلکہ ہم حکومتوں کو اور اسکول کے انتظامیہ کو اس بات پر پُرامن طریقہ پر مجبور کرینگے کہ وہ صرف مسلم بچوں کو نہیں، تمام قوموں کے بچوں کو کسی ایک مذہب اور تہذیب کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے!! یہ اجتماعی فیصلے کا وقت ہے، یہ قومی ارادے کا وقت ہے، پورے ملک کے مسلمانوں کو یہ پیغام دینے کا وقت آ گیا ہے، اللہ کرے ایک ایک گاؤں میں جانے کو ملے، ایک ایک کچے پکے گھر کے دروازے پر دستک دینے اور یہ صدا لگانے کا موقع ملے کہ اب فیصلہ کر لو کہ ہم کلمہ نہیں چھوڑیں گے!!

ایک چیز تو بچی ہے ہمارے پاس باقی تو سب چھن گیا اب کیا یہ بچا کھچا ایمانی سرمایہ بھی لٹ جائے گا؟ کسی کے حوصلے جو بڑھتے ہیں وہ عام طور پر قوم کی بے خبری اور غفلت کو دیکھ کر بڑھتے ہیں، مگر اس کے برعکس جب کوئی دیکھتا ہے کہ قوم ایک فیصلہ کر چکی ہے تو خود اس کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ —— فیصلہ صرف اس بات کا کہ ہم کسی قیمت پر اللہ کی یہ نعمت جس کا نام ”اسلام“ ہے اس کے کسی حکم سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں! اپنی اپنی عورتوں سے بھی آپ بات کر کے یہ فیصلہ کروائیں، اپنے بچوں اور بچیوں کا بھی یہ ذہن

بنائیں، ایک قومی فیصلے کا وقت آ گیا ہے۔ پوری قوم یہ طے کرے کہ ہم اپنے بچوں کو حافظ بنائیں گے، ہم اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے، کم سے کم اپنے بچوں کو پکا مسلمان بنائیں گے، ہم اپنے بچوں کو بنیادی دینی تعلیم دینگے، ہم اپنے گھروں کے اندر قرآن کا اور اللہ کے رسول کا چرچا کرینگے، ہم نظر رکھیں گے اس بات پر کہ جانے انجانے میں ہم سے یا ہمارے کسی بچے سے کوئی مشرکانہ عمل سرزد نہ ہو جائے۔

حالات کا موجودہ رخ اور قرآن کی رہنمائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک میں ایک طبقہ ان تنگ نظر اور متعصب لوگوں کا ہے جو بہت عرصہ سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنے دین اور اپنی تہذیب کو چھوڑ کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں، آج کل ایسے لوگ کچھ زیادہ ہی جوش میں ہیں، اور انہوں نے اپنی ان کوششوں کو بہت تیز کر دیا ہے۔۔ یہ حالات پہلی بار امت مسلمہ پر نہیں آئے ہیں۔ ہماری تاریخ میں مختلف ملکوں میں الگ الگ زمانہ میں اس قسم کے حالات کا سامنا امت کو کرنا پڑا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس طرح کی سازشیں رچی گئی تھیں۔ اس وقت ان سازشوں کے مقابلے کے لئے جو ہدایت دی گئی تھی اسی ہدایت پر عمل کر کے آج ہم کامیاب اور فتح یاب ہو سکتے ہیں۔ اس وقت فرمایا گیا تھا:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۗ

بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھر سے کافر بنا لیں، حسد کی راہ سے جو ان کے نفسوں میں ہے (اور یہ بھی) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا، سو معاف کرتے رہو اور درگذر کرتے رہو حتی کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (ہاں) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو

فرمایا اہل کتاب کی کثیر تعداد ہے وہ یہ چاہتی ہے کہ تمہارے ایمان کو تم سے چھین لے اور یہ جو وہ کوشش کر رہے ہیں وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں کر رہے ہیں حسد کی وجہ سے کر رہے ہیں ان کو تم سے حسد ہے۔ حالانکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔

اب ارتداد پھیلانے کی ان سازشوں کے مقابلے کے لئے تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے تین ہدایتیں دیں۔

پہلی ہدایت یہ دی کہ تمہیں کوئی منفی ردعمل نہیں دکھانا، مشتعل نہیں ہونا اور براہ راست الجھنا نہیں، بلکہ چشم پوشی، درگذر اور نظر انداز کرنے کا رویہ اپنانا ہے۔

دوسری ہدایت یہ دی کہ نماز اور اس کے متعلقات کے ذریعہ اپنی تعلیم و تربیت، اور اپنی اصلاح و کردار سازی پر اپنی توجہ اور بڑھا دینی ہے۔۔ یاد رکھیں کہ یہاں لفظ بولا گیا ہے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ہمارے عظیم امام حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اقامت صلاۃ کی جو تشریح کی ہے اس کے مطابق اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ تم نماز پڑھو، یا اپنی نمازوں کو بہتر بناؤ، بلکہ اس میں مسجد والے اعمال بھی داخل ہیں۔ میرا طالب علمانہ خیال ہے کہ یہ جو تبلیغی اصلاح ہے ''نماز والی محنت'' جس کا مرکزی عمل نماز کو بنانا ہی ہوتا ہے شاید یہ زیادہ جامع ترجمانی ہے اقامت صلاۃ کی۔

اور تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ زکوٰۃ ادا کیا کرو، ظاہر ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے، اور پھر یہ ہدایت ارتداد پھیلانے کی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ بتاتے ہوئے دی جارہی ہے، لہٰذا صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان سے کہا جارہا ہے کہ اپنے مال کو امت کے اجتماعی اور مجموعی ترقی کے لئے خرچ کرنے کی عادت ڈالو! اور اس سلسلہ میں اپنی قربانیوں کی سطح کو اور بڑھاؤ،

پس آج کے حالات کے مقابلے کے لئے قرآن ہم سے کہہ رہا ہے کہ ہم مسجدوں سے اور مسجد والے ماحول، مسجد والے اعمال سے اپنا اور اپنے بچوں اور پورے گھرانے کا تعلق بڑھائیں۔ اور اپنے مال کے خرچ کی ترتیب درست کریں۔

میرے محترم بھائیو بہنو! اور عزیز نوجوانو!

بس اب سب مل کر ایک مضبوط فیصلہ کرو، یہ ایک اجتماعی اور قومی فیصلے کا وقت ہے۔ اسلام سے تعلق کو مستحکم کرو، قرآن پڑھو اور اپنے بچوں اور بچیوں کو پڑھاؤ، توحید اور ایمان کو سینے سے لگائے رکھو! کسی قیمت پر کسی کفریہ عمل یا رسم کو ہرگز قبول نہ کرنا، اور اللہ کے دئے ہوئے مال کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی عادت ڈالو! آؤ آج ہم سب توبہ کریں اور اللہ سے نئے سرے سے کچھ عہد کریں۔۔۔۔۔۔!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا محمد مجاہد ندوی

''اعتدال''
امت مسلمہ کا خاص وصف

دور حاضر میں امت مسلمہ جن اخلاقی و دینی خرابیوں اور علمی و فکری کمزوریوں کا شکار ہے ان میں ایک انتہائی غیر معمولی کمزوری جس کا یہاں تذکرہ مقصود ہے وہ ''امت میں فکری و عملی بے اعتدالی'' ہے۔ بے اعتدالی ایک ایسی کمزوری ہے جو کم و بیش پوری ملّت میں مجموعی طور پر پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے دینی و علمی افراد اور جماعتیں بھی اس کمزوری سے پاک نہیں۔ یہ ایک ایسی کمزوری ہے جس نے امت میں بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے اور دے رہی ہے، اس نے امت کے اتحاد کو شدید نقصان پہنچایا اور اس کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ جب کسی فرد یا جماعت کا اعتدال و توازن بگڑتا ہے تو نتیجتاً اس کے سامنے ترجیحات کا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے، پھر وہ کسی بھی عمل اور کام میں عدم توازن کا شکار ہوجاتا ہے، جس کا نقصان کسی فردِ واحد کو ہی نہیں بلکہ پوری ملّت کو اٹھانا پڑتا ہے۔ بے اعتدالی نے عصر حاضر میں فرقہ واریت کا وہ طوفان بپا کیا ہے، کہ امت کے افراد و جماعتیں باہمی نفرت و انتشار کا شکار ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمان دین اور دینی سرگرمیوں سے دور رہنے میں ہی عافیت محسوس کرنے لگے ہیں۔

قرآن کریم نے اس امت کی خاص صفت جو بیان کی وہ ''امت وسط'' (سورۃ البقرۃ - ۱۴۳) یعنی درمیانی امت ہے۔ گویا امت مسلمہ کا بنیادی وصف ہی توازن و اعتدال ہے اور اسی بنا پر اقوام عالم کی قیادت کا سہرا اس کے سر پر سجایا گیا ہے۔ امت وسط کے معنی ہی یہ ہیں کہ مسلمان دین کے ہر شعبہ میں اعتدال پسندی کا رویہ اپنائے۔ اس عظیم مقصد اور نصب العین سے غفلت برتنے کا ہی نتیجہ ہے کہ امت مسلمہ فکری و عملی انحطاط کا شکار ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے ''الامر اذا ضاق اتسع و اذا اتسع ضاق'' کہ جب کسی چیز میں تنگی پیدا ہونے لگے تو اس میں وسعت پیدا کرنی پڑے گی اور جب کسی چیز میں غیر ضروری توسّع آنے لگے تو اس میں تنگی لانی پڑے گی۔

اللہ رب العزت نے ہمیں جو دین عطاء کیا ہے اور جو احکامات ہمیں دئے ہیں ان میں ایک انتہائی لطیف درجہ بندی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ شریعت کے تمام احکامات و تعلیمات کی درجہ بندی اصول و فروع، جزئیات و کلیات، فرائض و واجبات، سنن و مستحبات اور مباحات کے طور پر کی گئی ہے۔ اسی طرح موقع محل کے اعتبار سے بھی بعض احکامات میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے، بعض اوقات انتہائی ضروری چیزیں ثانوی درجہ اختیار کرلیتی ہیں

اورکم اہم چیزیں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔ ان تمام چیزوں کو ملحوظ رکھ کرہی دین میں ترجیحات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی اور انتہائی لطیف درجہ بندی ہے جس کا خیال رکھنا ہر فرد و جماعت کے لئے بے حد ضروری ہے۔ جب کوئی فرد یا جماعت اس ترتیب اور درجہ بندی کو ملحوظ نہیں رکھتی اور ان میں اپنے مزاج کے مطابق کمی یا زیادتی کرنے لگتی ہے؛ تو وہ بے اعتدالی اور غلو کا شکار ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً ایک دوسرا فرد یا گروہ اس کے ردعمل کے طور پر دوسری انتہاء کو پہونچ جاتا ہے، پھر ایک تیسرا گروہ تیسری انتہاء پہ اور اس طرح امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور امت کے مختلف گروہ متوازی رخ اختیار کر لیتے ہیں۔

مذکورہ صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر اس کے تدارک کے لئے حتی المقدور سعی کرنا اور امت کو اس بے جا غلو اور غیر ضروری بے اعتدالی پر متنبہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے، تاکہ امت کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچایا جا سکے۔ یہاں ہم مختصر انداز میں چند بے اعتدالیوں کو مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

ا۔ اللہ پر توکل اور تدبیر کے اختیار کرنے میں بے اعتدالی

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت ساری کائنات میں جاری وساری ہے، اللہ کے حکم کے بغیر دنیا میں ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا اور کوئی بھی انسان اللہ کی مدد و نصرت کے بغیر کسی ادنی سے کام کو بھی انجام نہیں دے سکتا۔ لیکن اسی قادر مطلق رب نے انسان کو اس بات کی ہدایت کی ہے کہ انسان اللہ کی مدد و نصرت پر تکیہ کر کے بیٹھ نہ جائے بلکہ اپنے مقاصد کے حصول میں حتی المقدور اپنی صلاحیتوں کو لگائے، اُس کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے اور ساری کوششیں کرنے اور تدابیر اختیار کر لینے کے بعد اللہ رب العزت کی مدد و نصرت کو اللہ سے مانگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں اس توازن واعتدال کو قائم کر کے ہمارے سامنے ایک مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تیئس سالہ دور مبارک میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے اور اپنی غیر معمولی محنت و کوشش سے معاشرے میں جو اخلاقی و دینی اور علمی وفکری انقلاب برپا کیا، اس مشن کو پورا کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں ایک طرف اللہ پر توکل واعتماد کیا اور اس کی مدد و نصرت سے فائدہ اٹھایا، تو دوسری طرف آپ نے ہر ہر قدم پر تمام ممکنہ تدابیر اختیار کیں اور نہایت صبر آزما اور منصوبہ بند طریقے پر بتدریج اپنی جدوجہد کو آگے بڑھاتے رہنے کا راستہ منتخب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس توازن واعتدال کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سو فیصد اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن کو پورا کرنے میں جو توازن واعتدال کو برقرار رکھا یہ امت مسلمہ کے لئے ایک بہترین اسوہ ہے کہ کسی بھی کام اور مشن کو پورا کرنے میں ہمیں بھروسہ اور توکل تو اللہ کی ذات پہ کرنا ہے اور اس کی مدد و نصرت سے فائدہ اٹھانا ہے مگر اس کے ساتھ شریعت کے حدود اور مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے زمانہ

کے وسائل کو اختیار کرنا اور لانگ ٹرم حکمت عملی اختیار کر کے ایک منظّم، سلیقہ مندانہ اور منصوبہ بند انداز سے اپنے کام کو انجام دینا بھی ضروری ہے۔ لیکن عملاً ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا، امت مسلمہ اس معاملہ میں بھی بے اعتدالی اور عدم توازن کا شدید شکار ہے۔ امت کا ایک گروہ اللہ پر توکل واعتماد کر کے تکیہ کر لیتا ہے اور ظاہری تدابیر اور حکمت عملی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتا، نتیجتاً اس گروہ کے افراد زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر حکمت عملی طئے کرنے کے بجائے سنن ونوافل اور ذکر واذکار پر ضرورت سے زیادہ توجہ مبذول کرنے لگتے ہیں۔ دوسری طرف ایک دوسرا گروہ اپنے مشن میں کامیابی کے لئے ظاہری تدابیر اور حکمت عملی کو ہی اصل سمجھنے لگتا ہے اور اللہ پر توکل و بھروسہ کرنے اور اس کی مدد ونصرت کی طلب پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتا، نتیجتاً اس گروہ کے افراد سنن ونوافل تو درکنار بعض اوقات فرائض وواجبات کا بھی اہتمام نہیں کرتے۔

۲۔ دعوت الی اللہ میں بے اعتدالی

دعوت الی اللہ ایک انتہائی اہم فریضہ ہے جو امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا، یہ ایک نہایت عظیم ذمہ داری ہے جسے ختم نبوت کے صدقہ میں ساری امت پر ڈالا گیا، یہ کام امت مسلمہ کی اولین ضرورت ہے اور مجموعی حیثیت سے پوری ملّت سے مطلوب ہے، دنیا بھر میں امت مسلمہ کی بقا، تحفظ وفروغ اور قوت و بیداری دعوت الی اللہ میں منحصر ہے۔ ماشاء اللہ کسی حد تک اس کا احساس بھی امت میں موجود ہے اور امت میں مختلف افراد اور جماعتیں اس مبارک کام کو بطور ایک اہم ذمہ داری کے ادا کر رہی ہیں۔ لیکن اس کارِ نبوت کو ادا کرنے کے سلسلہ میں بہت سے افراد و جماعتوں میں آپس میں ایک دوسرے سے بُعد ونا اتفاقی اور اپنے فکر وعمل میں بے جا غلو اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ نتیجتاً ایک دوسرے کے کاموں پر تنقید وتبصروں کا ناخوشگوار سلسلہ جاری رہتا ہے، جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ مختلف جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کرتیں۔ بقول مولانا سید سلمان حسینی ندوی:

> ”اللہ رب العزت نے تمام نبیوں اور رسولوں سے یہ عہد لیا تھا کہ تمہارے وقت میں اگر کوئی دوسرے نبی کو بھیجا جائے گا تو تمہیں اس کا ساتھ دینا ہوگا، چنانچہ کسی بھی نبی کے زمانہ میں جب اللہ کسی دوسرے نبی کو بھیجتا تھا تو وہ نبی بعد میں آنے والے نبی کا دعوتی کام میں تعاون کرتا تھا“۔

ناچیز راقم کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اس طرز عمل میں ہمارے لئے ایک نہایت اہم سبق پنہاں ہے، وہ یہ کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی کو الگ الگ علاقوں اور قوموں میں مختلف ذمہ داریاں دیکر مبعوث فرمایا، چنانچہ کسی نبی کی دعوت میں اخلاق اور نرم مزاجی پر زیادہ زور ہوتا تھا، کسی کی دعوت میں ناپ تول میں کمی نہ کرنے پر زور ہوتا تھا تو کسی نبی کی دعوت میں دیگر اخلاقی برائیوں پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ یعنی جس نبی کی قوم میں جو زیادہ واضح اور کھلی ہوئی گمراہی یا اخلاقی برائیاں موجود ہوتیں تو اُس قوم کا نبی اُس مخصوص برائی کے خاتمہ پر

زیادہ زور دیا کرتا تھا۔اور چونکہ اللہ رب العزت نے ان سے اپنے وقت کے دوسرے نبی کا تعاون کرنے کا عہد لیا تھا تو وہ اپنے طور پر کام بھی کرتے تھے اور جو نبی دوسرے طرز پر دعوتی کام کررہا ہے اس کی مخالفت بھی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کا تعاون کرتے تھے۔انبیاء علیہم السلام کے اس طرز عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دعوتی کام کو اپنے طرز اور طریقہ پہ کرسکتے ہیں، لیکن اگر کوئی فرد یا کوئی جماعت کسی دوسرے انداز میں دعوت کے کام کو کررہا ہے تو اس کی مخالفت نہ کریں بلکہ ہوسکے تو اس کا تعاون کریں، چونکہ رسول اللہ نے فرمایا میری امت ہر اس برائی کا ارتکاب کرے گی جو پچھلی امتوں سے سرزد ہو چکی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ امت مسلمہ میں پچھلی قوموں کی ہر برائی پائی جائیگی تو ظاہر ہے ہر نبی کی طرح امت محمدیہ میں بھی ہر جماعت دعوت الی اللہ کا کام ایک طرز پہ انجام نہیں دے گی بلکہ جس گروہ یا فرد کو امت میں جو برائی اور گمراہی زیادہ واضح محسوس ہوگی وہ اس کی اصلاح پر زیادہ زور دیگا، اس طرح سے امت میں مختلف دعوتی و تبلیغی جماعتوں کا مختلف انداز میں کام کرنا ایک فطری بات ہے۔ہمیں چاہئے کہ جماعتوں کی اس رنگارنگی اور تنوع کو وسعت قلبی کے ساتھ قبول کرلیں ایک دوسرے کی بالکل مخالفت نہ کریں بلکہ ایک دوسرے کے احترام اور حوصلہ افزائی کے ساتھ آپس میں تعاون وتناصر کی فضا قائم کریں۔

لیکن افسوس عملاً ایسا نہیں ہورہا ہے بلکہ تقریباً ہر فرد و جماعت کا یہ خیال ہے کہ ہم جو کام کرہے ہیں بس وہی حق اور اوّل درجہ کا کام ہے، باقی دیگر علمی، دینی اور دعوتی تحریکیں جو کام کرہی ہیں وہ کام غیر اہم اور ثانوی درجہ کا ہے، مزید یہ کہ اکثر جماعتیں وسائل اور مقاصد کے درمیان توازن قائم نہیں رکھ پاتیں اور بعض اوقات وسائل کو مقاصد سے زیادہ اہمیت دی جانے لگتی ہے۔نتیجتاً اکثر دینی و دعوتی تحریکیں بے جا غلو اور بے اعتدالی میں مبتلا ہیں۔

۳۔ اختلافی مسائل میں بے اعتدالی

فقہاء کرام نے قرآن وحدیث پر غیر معمولی غور وفکر کرکے جن مسائل کو اخذ کیا ہے، ان میں سے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں فقہاء کی الگ الگ آراء ہیں، فقہ کی کتابوں میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، اور اسی وجہ سے مختلف مسالک وجود میں آئے۔لیکن باوجود اس اختلاف رائے کے کبھی کسی بھی فقیہ نے کسی دوسرے فقیہ پر کسی طرح کا لعن طعن وتبصرہ نہیں کیا بلکہ وہ ایک دوسرے کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔یہ اُن حضرات کے معتدل مزاج، وسیع النظر اور صاحب بصیرت ہونے کی دلیل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک شاگرد یونس بن عبدالاعلی صدفی کا ایک مرتبہ امام شافعی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوگیا اور دونوں کسی ایک رائے پر متفق نہ ہوسکے، پھر جب امام شافعی کی ان سے ملاقات ہوئی تو امام صاحب نے ان کا ہاتھ تھاما، اور فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں کہ گو ایک مسئلہ میں بھی ہمارا اتفاق نہ ہو لیکن پھر بھی ہم بھائی بھائی بن کر ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بیشمار ضعیف حدیثیں اور موضوع حدیثیں ان کے سامنے رہیں، انہوں

نے لاکھوں حدیثوں کو ان کے راویوں کے اپنے معیار پر نہ اترنے کی وجہ سے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جگہ نہیں دی۔لیکن اس کے باوجود یہ فرمایا کرتے تھے ''انشاء اللہ قیامت میں غیبت کی بنیاد پر اللہ میرا محاسبہ نہیں فرمائیں گا''۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میری نگاہ میں میری رائے درست ہے البتہ ممکن ضرور ہے کہ وہ فی الواقع درست نہ ہو۔اور دوسرے حضرات کی رائے مجھے صحیح نہیں نظر آتی ،تاہم یہ بالکل ممکن ہے کہ وہی صحیح ہو۔''

یہ ہے وہ اعلی ظرفی اور وسعت نظری جس کا ہمارے اسلاف نے ہمیشہ پاس وخیال رکھا۔فقہاء کرام نے فقہی مسائل کے سلسلہ میں جس وسعت قلبی کا ثبوت دیا،اور فقہی اختلاف کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت واحترام اور تعظیم وتکریم کی جو مثالیں قائم کیں،وہ بدقسمتی سے ہمارے زمانہ میں مفقود ہیں۔تنگ نظری،کم ظرفی اور بدگمانی ہمارا طرۂ امتیاز ہیں۔ہم میں سے ہر کوئی اپنی رائے کو درست اور دوسرے کی رائے کو خطا گردانتا ہے،یہی وجہ ہے کہ اپنی رائے اور اپنے مسلکوں میں غلو اور بے اعتدالی عام ہیں۔

اختتام

مذکورہ بالا مضمون میں راقم الحروف نے دین کے مختلف شعبوں میں امت مسلمہ کی بے اعتدالیوں کو مثالوں کے ذریعہ سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے،موجودہ دور میں امت مسلمہ میں آپس میں رسہ کشی،انتشار وخلفشار اور تفرقہ بازی کی جو فضا عام ہے۔اس کی ایک وجہ امت کے مختلف افراد اور جماعتوں میں دین کے مختلف شعبوں میں بے اعتدالی اور غلو کا پایا جانا ہے۔جب ایک فرد یا گروہ دین کے کسی شعبہ میں غلو و بے اعتدالی سے کام لیتا ہے تو دوسرا فرد یا گروہ اس کے بالمقابل غلو وبے اعتدالی کا ثبوت دیتا ہے،جس کی وجہ سے امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دین کے کاموں میں غلو،بے اعتدالی اور عدم توازن سے بچیں اور اپنے اندر متوازن فکر اور معتدل مزاجی کو پیدا کرنے کی فکر کریں۔سخت کلامی،سخت مزاجی سے حتی المقدور بچنے کی سعی کریں اور اپنے مزاج ومنشاء کی بجائے شریعت کے مزاج ومقاصد کو پیش نظر رکھیں۔یاد رکھیں!دین میں کسی قسم کا غلو اور بے اعتدالی درحقیقت دین سے جنگ ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''دین آسان ہے اور دین سے جب بھی مقابلہ کیا جائے گا وہ مقابلہ کرنے والوں کو شکست دے دے گا۔پس تم لوگ صراطِ مستقیم پر چلو،شدت پسندی سے بچو اور اللہ کی رحمت اور نجات سے مایوس نہ ہو''۔(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم وعمل،دعوت وتبلیغ اور دین کے ہر شعبے میں ہمیشہ اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اعتدال کی راہ اختیار کر کے دائمی سرخروئی حاصل کی ہے۔نیز ہمارے اسلاف نے بھی دین کے معاملہ میں میانہ روی،رواداری،صبر وتحمل اور اعتدال کے راستے پر عمل کیا ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

☆☆☆

محمد سجود العزیز قاسمی

خانقاہ نعمانیہ مجددیہ کا رمضان المبارک

ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، کیونکہ احتیاط والی زندگی کے بغیر انسان دنیا میں بھی ناکام ہے اور دین میں بھی، اس لئے کہ جس انسان کو نامناسب چیزوں سے بچنے کی عادت نہیں ہوگی وہ نہ اپنے مال کو صحیح طریقہ سے استعمال کر پائے گا اور نہ جسم وجان کو، وہ نہ بندوں کے حقوق ادا کرے گا نہ اپنے پیارے، مہربان ومشفق رب کے حقوق ادا کر پائے گا، نہ اپنے جسمانی وجود کے تقاضوں کو صحیح انداز میں پورا کرے گا نہ روحانی وجود کے تقاضوں کو، اور اس طرح اس کی زندگی تلخیوں اور ناخوش گواریوں کا مجموعہ بنتی چلی جائے گی، اس لئے بحیثیت انسان ہر انسان کی یہ ذاتی ضرورت ہے کہ اس کے اندر احتیاط والا ذوق ومزاج پروان چڑھے تاکہ وہ ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی بسر کر سکے۔

اللہ رب العزت چونکہ ہر انسان کا خالق ومالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشفق ومہربان رب بھی ہے، وہ انسانوں کی فطرت اور ان کی اس ضرورت سے بخوبی واقف ہے اس لئے اس نے انسانیت کو جو نظام حیات عطا کیا اس میں اس احتیاط والے پہلو کو بھی ملحوظ رکھا، خصوصاً رمضان المبارک کا ایک مکمل مہینہ اس خاص ذوق ومزاج کو پروان چڑھانے کے لئے مختص کر دیا، اور روزے جیسی عظیم عبادت انسانیت کو عطا کی، اور یہ یقین دلایا کہ اس عبادت کا اصل مقصد ہی انسانوں کو احتیاط والا ذوق دینا ہے جو ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی کا ضامن ہے ارشاد باری تعالی ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے قبل ہوئے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاو

تقوی اور پرہیزگاری دراصل اسی احتیاط والے ذوق ومزاج ہی کا دوسرا نام ہے اور یہی دنیا وآخرت کی کامیابی اور فلاح وبہبود کا ضامن ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے رمضان المبارک عطا کر کے

انسانیت کی بہت بڑی ضرورت کی تکمیل کی ہے۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ دور حاضر کی بھاگتی دوڑتی مصروف ترین زندگی نے آج کے انسانوں کو اس قدر مشغول اور مادی زندگی کے حصول کی طلب میں اتنا زیادہ مصروف ومنہمک کر دیا ہے کہ عمومی طور پر اپنی تربیت کی فکر اور اپنے اندر تقوی واحتیاط والے مزاج کو پیدا کرنے کا خیال تو لوگوں کو کیا آتا اس کی ضرورت کا احساس بھی آہستہ آہستہ دلوں سے اٹھتا چلا جا رہا ہے، ایسے حالات میں خانقاہوں کی طرف رجوع اور اللہ والوں کے پاس بھاگ بھاگ کر آنے کی ضرورت عہد گذشتہ کی بنسبت بدرجہا بڑھ گئی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر اس دور انحطاط میں بھی دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں مشائخ واہل اللہ دوائے دل بانٹنے کا خصوصی انتظام کرتے ہیں۔

الحمد للہ خانقاہ نعمانیہ مجددیہ میں بھی گذشتہ پانچ سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے اور مرشد ومربی، ہمارے استاذ گرامی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی زیر تربیت سیکڑوں سالکین وطالبین حقیقت تقویٰ اپنے اندر اتار لینے کی غرض سے ہر سال جمع ہوتے ہیں، اور ہمارے اندازے کے مطابق ان میں سے اکثر کی زندگی میں ایک صالح انقلاب اور ایک مثبت تبدیلی ضرور آتی ہے اور تقریباً ہر ایک اپنے اپنے ظرف کے مطابق ضرور فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر خانقاہ نعمانیہ میں رمضان المبارک کے یومیہ معمولات بھی الفرقان کے ناظرین کے سامنے آجائیں تاکہ اس نورانی اور بصیرت افروز ماحول کا تھوڑا سا اندازہ ہو سکے جو راہ حق کے مسافروں کو تقویٰ وللّٰہیت اور پر از احتیاط، خوشگوار زندگی حاصل کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوتا ہے۔

ساری دنیا میں رمضان المبارک کی قدر پہچاننے والے حضرات شب کے نالوں اور صبح کی آہوں سے اپنی روح کی تسکین کا سامان کیا کرتے ہیں، لیکن اگر قدرت الٰہی سازگار ماحول بھی میسر کر دے تو طاعت وعبادت کی لذت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے، یہ رب ذوالجلال کا خاص کرم تھا کہ خانقاہ نعمانیہ کے ہر دن کا آغاز طاعت وعبادت اور رب کے حضور عاجزی ومسکنت کے ماحول سے ہوتا تھا، سحری سے قبل تضرع، انابت الی اللہ اور دعاؤں کی ایسی فضا ہوتی تھی کہ راقم کے جیسے غافل اور ازکار رفتہ لوگ بھی اپنے سینوں میں ٹھنڈک ومٹھاس کا مزہ محسوس کرنے لگتے تھے، اور پھر سحری کے بعد نماز فجر، تلاوتِ یٰسین شریف، ختم خواجگان اور حضرت کی سوز والم میں ڈوبی ہوئی دعائیں اس نورانی ماحول میں کیا کچھ اضافہ کرتی تھیں، اس کا اندازہ تو صرف اسی کو ہو سکتا ہے جس نے اس جیسے کسی مئے کدہ میں کبھی قدم رکھا ہو ورنہ

لطف مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد

ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

اور پھر یہ تو صرف دن کے شروعات کی ایک ہلکی سی منظر کشی ہے، قدردانوں کا بقیہ سارا دن بھی سیکھنے سکھانے اور اپنی روحانیت کو جلا دینے میں ہی صرف ہوتا تھا، چنانچہ خانقاہ نعمانیہ کے معمولات میں ایک طرف تو انفرادی اعمال اور ذکر وتلاوت کے لئے خاصا وقت مقرر تھا، دوسری طرف کتابی تعلیم، عقائد ومسائل کے مذاکرے، نماز کی عملی مشق کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی تھی، کیونکہ اہل نظر اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ علم بلا عمل اور عمل بغیر علم کے سودمند نہیں ہوا کرتا، اس لئے ہمارے استاذ ومربّی کا خاص منشاء یہ ہے کہ خانقاہ نعمانیہ میں آنے والے تمام ہی افراد اور حضرت والا سے منسلک سارے ہی سالکین کی ہمہ جہت ترقی ہو، وہ معمولات، اذکار ومراقبے، تضرع اور انابت الی اللہ کے اعتبار سے بھی مضبوط و مستحکم ہوں اور علم بھی ان کا ٹھوس وخالص ہو، اور دراصل مزاج کا یہی اعتدال وجامعیت ہمارے اکابر واسلاف کی اصل میراث ہے اور یہی فکر ولی اللہی اور مسلک علماء دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے۔

اور جب بات علم وعمل کی جامعیت اور فکر ونظر کے اعتدال کی چل پڑی ہے تو اس خاص نعمت کا تفصیلی ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو رمضان المبارک میں خانقاہ نعمانیہ میں آئے ہوئے حضرات کو خدائے رب ذوالجلال کی خاص عطاء سے حاصل تھی، اور وہ تھی حضرت والا دامت برکاتہم کی فکر ونظر کے اعتدال پر مشتمل مجالس جنھوں نے سالکین راہ طریقت کے مردہ دلوں میں تازگی کا صور پھونک دیا تھا۔

رمضان المبارک میں حضرت والا کا یومیہ دومرتبہ مجلس منعقد کرنے کا معمول تھا، صبح گیارہ تا بارہ حضرت والا کی مجلس کا موضوع آدابِ معاشرت ومعاملات تھا، جس میں اردو زبان میں علم حدیث کی بے نظیر کتاب 'معارف الحدیث' کی چھٹی اور ساتویں جلد سے حضرت والا احادیث نبویہ اور ان کی تشریحات کو پڑھتے اور پھر ان احادیث مبارکہ اور حضرت مولانا منظور نعمانی علیہ الرحمہ کی توضیحات کو بیان فرماتے، اس مجلس کا مقصد خود حضرت والا دامت برکاتہم ہی کی زبانی یہ تھا کہ

> ''معاشرت ومعاملات کی احادیث اس لئے ذکر کی جاتی ہیں کہ ایک پہلو سے یہ دین کا سب سے زیادہ اہم حصہ ہے، کیونکہ اس میں اللہ ورسول کے احکامات ومنشا اور ہمارے اپنے نفس کی خواہشات کے درمیان سب سے زیادہ ٹکراؤ ہوتا ہے، معالات کے سلسلہ میں بھی اور معاشرت کے سلسلہ میں بھی، انسان کو اپنا فائدہ ایک چیز میں نظر آتا ہے جبکہ شریعت کا حکم کچھ اور ہوتا ہے، ماحول کا فیشن، رسم ورواج کچھ اور ہوتا ہے اور اسلام کا حکم کچھ اور ہوتا ہے، اس لئے ہم میں ہر ایک

کا اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کے بارے میں سب سے سخت امتحان معاشرت ومعاملات کے باب میں ہی ہوتا ہے، اسی لئے کہنے والے نے کہا تھا کہ لوگوں کے دین کو ان کی دنیا میں دیکھا کرو"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں دین کے اس شعبے سے جتنی غفلت برتی گئی ہے، شاید ہی کبھی برتی گئی ہو، ظاہری اعمال کرنے والوں کی ایک معتد بہ تعداد تو نظر آنے لگی ہے، مگر اخلاق اور معاشرت ومعاملات کی طرف سے بے توجہی ہم جیسے کچھ ظاہری اعمال کرنے والوں میں بھی بہت عام ہے، غرض اس ضرورت کے پیش نظر حضرت والا دامت برکاتہم نے معاشرت ومعاملات کے ابواب کو تفصیل کے ساتھ واضح کیا جس میں اولاد و والدین کے حقوق، رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حقوق، پڑوسیوں، غریبوں اور حاجت مندوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہر باشعور مسلمان ان مجالس کو پورے اطمینان کے ساتھ سنے، (یاد رہے کہ ان کی سی-ڈی موجود ہے) تاہم اس مختصر مضمون میں ایک اصولی بات کے طور معاشرت ومعاملات کی تمام احادیث اور اس بارے میں اسلامی ہدایات کا نچوڑ حضرت والا دامت برکاتہم ہی کی مجالس کی روشنی میں یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ اسلام معاشرت ومعالات میں شریک دو لوگوں کو کبھی بھی مقدمہ کے دو فریق کے طور پر پیش نہیں کرتا بلکہ دو ایسے محبت کرنے والے انسانوں کے طور پر پیش کرتا ہے جن میں سے ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر ایک کو دوسرے کے حقوق اور اپنے فرائض وذمہ داریاں یاد دلاتا ہے، والدین کو اولاد کے اور اولاد کو والدین کے حقوق یاد دلاتا ہے شوہر کو بیوی کے اور بیوی کو شوہر کے حقوق یاد دلاتا ہے، امیر کو غریب کا خیال رکھنا اور غریب کو امیر کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا سکھاتا ہے اور یہی اسلام کا حسن ہے، جبکہ دنیا کے قانون ہر فرد کو اپنا فرض منصبی اور اپنی ذمہ داری یاد دلانے کے بجائے اپنا حق یاد دلاتے ہیں اور اپنے حق کو بہرصورت وصول کرلینے کی تاکید کرتے ہیں اور یہی دراصل سارے فساد کی جڑ اور باہمی کشمکش کا سبب ہے۔ کاش کہ ہم معاشرت ومعاملات کے بارے میں اسلامی طرز فکر کو اختیار کرلیں، تاکہ ایک بار پھر ساری دنیا محبت وبھائی چارگی اور امن آشتی کا گہوارہ بن جائے۔

حضرت والا دامت برکاتہم کی دوسری مجلس روزانہ بعد عصر تا مغرب ہوا کرتی تھی، اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت والا کا خاص منشا یہ ہے کہ خانقاہ میں میں آنے والے افراد کی ہمہ جہت تربیت ہو اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جس کے بارے میں ایک واضح لائحہ عمل اور اسلامی ہدایات سے وہ روشناس نہ ہوئے ہوں، چنانچہ عصر بعد روزانہ الگ الگ موضوعات پر حضرت والا نے علم وعرفان کے ایسے انمول موتی تقسیم کئے جو شاید سالہا سال بھی کتابوں کے سمندر میں غواصی کرنے بعد ہاتھ نہ لگ سکیں، چنانچہ کبھی سالکین راہ طریقت کے

سامنے آداب شیخ اور اپنے مرشد ومربی سے محبت کی اہمیت اور اس کے متعلق شکوک وشبہات کی سنگینی کو واضح کیا اور کبھی رمضان المبارک کی اہمیت اور اس کے خاص تحفے مغفرت وتقویٰ حاصل کر لینے کی طرف توجہ دلائی، کبھی موضوع گفتگو یوگا، سوریہ نمسکار اور مسلمانان ہند کو ان جیسے ہزاروں درپیش مسائل کا حل سمجھایا جاتا اور کبھی نماز کی حقیقت اور اسلامی عبادات کا حسن، ان کی جامعیت اور توازن واعتدال کی ایسی دلنشیں اور خوبصورت تشریح ہوتی کہ ایک عام سے مسلمان کو بھی خالق و مالک اللہ تعالی کو اپنا رب مان کر، اور رسول آخر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی تسلیم کر کے اور اسلامی نظام حیات کو بطور دین قبول کر کے فخر ہونے لگتا، کبھی حضرت والا خوشگوار زندگی کے رہنما اصول اور ایک پرسکون ومطمئن زندگی کے حصول کے لئے ایسے انوکھے وخوبصورت طریقے بیان فرماتے کہ اگر وہ دانشوارانِ عالم اور ہزاروں ہزار روپے خرچ کر کے خوشیوں کو تلاش کرنے والے امیروں کو معلوم ہوجائیں تو وہ ہم غریبوں پہ رشک کرنے لگیں، اور کبھی ارادے کی طاقت کو نفس کی بے جا خواہشات میں استعمال کرنے اور رمضان المبارک کے ذریعہ اپنے ارداے کو پروان چڑھانے پر زور دیتے، کبھی یہ بتاتے کہ ہم زندگی میں میسر آنے والے خوشیوں کے مواقع کیسے گزاریں اور کبھی رنج وغم کا باعث بننے والے حالات کے مقابلے کا صحیح ڈھنگ سکھاتے، کبھی زندگی کبھی موت، کبھی دنیا کبھی آخرت، کبھی شکر کبھی صبر غرض ایک کامیاب، تقویٰ والی محتاط زندگی کے لئے جتنے شعبوں کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سے اکثر کے بارے میں عصر بعد کی مجالس میں تفصیلی ہدایات سامنے آگئیں، یہاں تو صرف ان موضوعات میں سے کچھ کی طرف صرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کی مجالس اور خانقاہ کا نورانی ماحول علوم ومعارف، آشتی وآگہی کا پورا سمندر ہے اور اب انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم صرف ساحل کے تماشا بیں بنے رہنے کے بجائے آگے بڑھیں اور تقویٰ، محبتِ الٰہی اور عشق رسول اور ان جیسے ہزاروں موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر اپنی زندگیوں کو خوشگوار بنائیں ورنہ شاید یہ روحانی مراکز آپ سے یہ شکوہ کرتے رہیں کہ

مجھ کو پانا ہے تو مجھ میں اتر کر دیکھو
یوں کناروں سے سمندر نہیں دیکھا جاتا

☆☆☆

الفرقان کی ڈاک

(۱)

مخدوم گرامی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگست کا الفرقان نظر نواز ہوا۔ آپ کا تفصیلی اداریہ پڑھ کر از حد خوشی ہوئی، کہیں پڑھا تھا کہ ایک جلسہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اکٹھا تھے۔ اول الذکر کی تقریر سن کر ثانی الذکر نے فرمایا تھا کہ ماشاء اللہ آپ کی تقریر مکمل، مفصل اور مدلل تھی یہ جامع مانع تعریف آپ کے تازہ اداریہ پر بھی صادق آتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ اہم تحریر رسالہ کی شکل میں طبع ہو جائے [۱] اور ہر علاقہ کے علماء اور مخیر حضرات بڑی تعداد میں اسے خرید کر پڑھے لکھے لوگوں تک پہونچائیں۔ یہ فقیر بھی بساط بھر اس کار خیر میں شریک ہوگا۔ (انشاء اللہ)

عبد القادر بدایونیؒ کے حوالے سے ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' کی تعبیر بھی بہت خوب ہے سچی بات یہی ہے کہ طویل عرصہ تک مسلمانوں اور برادران وطن کے اختلاط سے ایک بڑا مسئلہ شعوری یا غیر شعوری طریقہ پر ان کی تہذیب اور مزاج و انداز سے متأثر و مرعوب ہونے اور ان کے رسم و رواج اور طرز معاشرت کو اپنانے کا پیدا ہو گیا ہے۔ اور مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا ظاہر ہو چکا ہے کہ جو برادران وطن سے فکری اور ذہنی طور پر قریب ہوتا جا رہا ہے، یہ چیز دیہاتوں میں بھی اور شہروں میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی وہ کیفیت تھی کہ جو بڑھتے بڑھتے میوات اور اس کے اطراف و اکناف میں یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ وہاں کے مسلمانوں کے پاس ناموں کے علاوہ کوئی اور چیز اسلام اور مسلمانوں پر دلالت کرنے والی باقی نہیں رہی تھی۔ جس کے بعد اللہ نے اپنے ایک عظیم و مخلص بندے اور ''درویش خود آگاہ و خدا مست'' کو (جسے دنیا مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نام سے جانتی ہے) کھڑا کیا۔ اور وہ عظیم دینی محنت جاری ہوئی۔ جو پورے عالم کے مسلمانوں کے لئے چشمۂ صافی کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کے اثرات و ثمرات سے ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ مرعوبیت کی وہ لہر جو ''مسلمانانِ ہندو مزاج'' کو جنم دے رہی ہے اس کا مقابلہ اور ذہنی و فکری ارتداد کے اس سیل رواں (جو مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جانا چاہتا ہے اور جس کی موجیں بڑے زور و شور سے اٹھ رہی ہیں) پر بند ھ باندھنا وقت کا اہم تقاضا ہے اور پوری ملت اسلامیہ کا فرض منصبی ہے۔

---

[۱] جب تک یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہونچے گا، انشاء اللہ وہ مضمون رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہوگا۔

ہندوستان کے موجودہ حالات کے ضمن میں اکبر کے دور کی جو مثالیں اور اس زمانہ میں انجام دئے جانے والے جن رسوم رواج اور مراسم عبادت کا آپ نے مستند حوالوں کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ ذہنی وفکری ارتداد کس قدر خطرناک اور نقصان دہ ہے، پھر علماء سوء کا اکبر کو بگاڑنے اور ایک نئے دین کی تشکیل وترویج میں جو حصہ رہا ہے اور جس طرح مالی مفادات اور عزوجاہ کی طلب میں پوری ملت کی گمراہی کو بخوشی قبول کیا گیا، اس سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ عالم کا بگاڑ عالَم کا بگاڑ ہے۔افسوس ناک صورت حال ہے کہ اکبر کے دور کے علماء سوء سے ذہنی وفکری رشتہ،اور مآل کو چھوڑ کر مال کی طلب رکھنے والے علماء آج کے دور میں بھی ہیں اور اسی راستے کو اختیار کرکے پوری ملت اسلامی کو بدنام بھی کررہے ہیں اور نقصان بھی پہونچا رہے ہیں ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ملت اسلامیہ مال ومنال کی حرص رکھنے والے اور اپنے جسموں کو دستار وعبا سے مزین کرکے علم وتقدس کی آڑ میں ''گلیم بوذر وچادر زہرا'' کا سودا کرنے والوں کو اچھی طرح پہچان لے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرے جس کے وہ مستحق ہیں۔ملت اسلامیہ کی صفوں میں ایسے علماء دنیا پرست کا اعزاز واکرام اور ان کی آراء وفتاویٰ پر اعتماد واعتبار ملت کے لئے سم قاتل ہے۔اور علماء ربانیین کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی!

حالات کے تجربے کے بعد آپ نے جو عملی حل پیش کیا ہے وہ بھی بہت مناسب اور برمحل ہے۔اختصار کے ساتھ اگر اسے لکھا جائے تو مندرجہ ذیل خاکہ بنتا ہے۔

۱۔ بڑے پیمانہ پر عام مسلمانوں سے رابطہ اور ان میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش۔

۲۔ عصری تعلیم یافتہ مسلمانوں اور اسکولوں وکالجز کے طلبہ وطالبات کو حکمت ودانش کے ذریعہ دین سے قریب کرنا اور اس مقصد کے لئے مختلف سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا۔

۳۔ برادران وطن سے مستحکم روابط اور انہیں ملک کی سالمیت وبقاء کی کوششوں میں شریک کرنا۔

۴۔ مسلمانوں، برادران وطن اور مختلف مذہبی،تہذیبی اور سماجی اکائیوں سے رابطے کے لئے سوشل میڈیا کا بھرپور استعمال۔

۵۔ خلاف شریعت عدالتی فیصلوں کے سلسلے میں اعلیٰ پیمانہ پر قانونی چارہ جوئی۔

یہ بھی اچھا ہوا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور اس کی قیادت میں برپا کی جانی والی تحریک کا قدرے تفصیلی تذکرہ بھی اداریہ کے آخری حصے میں آگیا۔بورڈ کی جانب سے چلائی جانے والی تحریک کے سلسلہ میں آپ

نے افرادی طاقت اور وسائل کے لئے جو آواز لگائی ہے امید ہے کہ وہ صدا بصحراء ثابت نہیں ہوگی، بلکہ اس کے بڑے اچھے نتائج اور دوررس اثرات سامنے آئیں گے اور ملت اسلامیہ اپنے عظیم اور باوقار ادارے اور اس کے عالی مرتبت قائدین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں اترے گی۔ انشاء اللہ۔

اداریہ کے بعد اس مرتبہ کی محفل قرآن بھی ردشرک اور حقانیت توحید کے سلسلے میں ہے اور سورۂ انعام کی ان آیات کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے صاف صاف اعلان کروایا گیا ہے کہ

> ''اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کو معبود بناؤں جن کو تم اللہ سے ورے پکارا کرتے ہو، کہو کہ میں تمہارے باطل خیالات پر چلنے والا نہیں۔ میں نے اگر ایسا کیا تو پھر میں گمراہ ہوا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہا۔ کہو کہ میں بلاشبہ اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلایا ہے۔ وہ چیز جس کی تم جلدی مچاتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حق کو لازم رکھتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی جانب سے ایسے ہی صاف صاف اور بے لاگ اعلان کی ضرورت ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دارالعلوم دیوبند کی تقریر بھی آج کے حالات کے لحاظ سے بالکل تازہ اور مناسب حال ہے۔ تقریر پڑھتے پڑھتے معاً ذہن میں جناب شورش کاشمیری کا جملہ گونج اٹھا ''مولانا علی میاں حجازی لے کے ہندوستانی خطیب ہیں'' حضرت مرحوم کی خطابت کے لئے اس سے بہتر جملہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

یوگا اور سوریہ نمسکار کے سلسلہ میں آپ کا جو مضمون الفرقان کے آخر میں شائع ہوا ہے اس کے سلسلہ میں یہ کہنا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور اس کے ذمہ داران بالخصوص حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ العالی (کارگذار جنرل سکریٹری بورڈ) کی جانب سے یوگا کے سلسلہ میں واضح موقف پیش کئے جانے کے باوجود کئی علماء کی طرف سے یہ بات آئی اور اخبارات میں بھی اس کی اشاعت ہوئی کہ یوگا اگر بطور ورزش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، آپ نے اپنے مضمون میں انگریزی کتابوں کا حوالہ دیا ہے اگر ان کے حوالہ سے آپ ایک تفصیلی مضمون تحریر فرمادیں تو لا

علمی کی بنیاد پر یوگا کے سلسلہ میں موقف اختیار کرنے والے علماء اور عصری تعلیم یافتہ احباب کے لئے بڑی مفید چیز ہوگی اور شاید اس طرح ان کی غلط فہمی رفع ہو جائے۔

کچھ اور باتیں بھی ذہن میں ہیں جنہیں لکھنا چاہتا ہوں لیکن خط طویل ہو گیا ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ بہترین اداریہ تحریر فرمانے پر مبارکباد دیتے ہوئے دعا کی درخواست پر خط ختم کرتا ہوں۔

والسلام

محمد عمرین محفوظ رحمانی (۲۶/ جولائی ۲۰۱۵ء)

(۲)

محترم مدیر الفرقان، مولانا نعمانی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے!

میں تقریباً دو ہفتہ پہلے اپنے کسی عزیز سے ملاقات کرنے اُن کے گھر گیا ہوا تھا، چونکہ میرے عزیز بھی اہل دانش طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، بات کا رُخ اس طرف چلا گیا کہ ''ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات اور ہماری نئی نسل کس طرف جا رہی ہے'' بات چیت کے دوران انھوں نے ماہنامہ الفرقان کا تازہ شمارہ (اگست 2015) مجھے عنایت فرمایا، میں چونکہ الفرقان کا باضابطہ قاری تو نہیں البتہ کبھی کبھی نظر سے گذر جایا کرتا ہے، اور اس کی افادیت کا احساس کہیں نہ کہیں ہوتا رہتا ہے، خصوصاً گذشتہ سال جو خاص نمبر شائع ہوا تھا؛ وہ تو مجھے بے حد پسند آیا تھا اور میں نے اُس موقع پر بھی اُس کی اہمیت اور افادیت پر کچھ عرض کیا تھا۔ جو شامل اشاعت نہیں ہو سکا تھا۔ اِس وقت اِس عریضہ کا مقصد (اگست 2015) کے شمارے میں آپ کے اداریہ والے مضمون ''ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ پر آپ کو دِلی مبارک باد پیش کرنا ہے۔

میں اُن حسّاس لوگوں میں شامل ہوں؛ جن کے دل میں جب مسلمان فون پر بات کرتے ہوئے یا ملاقات کے موقع پر اپنے غیر مسلم بھائی سے ''نمستے'' یا ''نمسکار'' کہتے ہوئے دکھائی دیتا ہے تو ایک ٹیس اُٹھتی ہے، کہ مشرک قوم کے اختلاط کی وجہ سے اور ایمانی حمیت وغیرت کے فقدان کی وجہ سے ہمارے نوجوان اور تاجر حضرات بلا تردد دِن میں سَو بار ''نمستے'' یا ''نمسکار'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں! جو نہ صرف اسلامی تہذیب کے خلاف ہیں بلکہ میری معلومات کے مطابق ان الفاظ میں شرک کی بُو آتی ہے۔

آج ہماری نسل سے ایمانی حمیت اور اسلامی تہذیب وتشخص کو چھین لینے اور ان پر استقامت کی کوشش

کرنے والوں کو بالکل معاشرہ سے الگ تھلگ کردینے اور صحیح اسلامی تشخص پر استقامت رکھنے والوں کو دنیا کے سامنے کٹّر پنتھی بنا کر پیش کرنے کے لئے زبردست توانائیاں اور رقومات خرچ کی جارہی ہیں۔ میں بے حد معذرت کے ساتھ اِس حوالے کے طور پر حالیہ ایک فلم کے کچھ مناظر کی مثال پیش کرتا ہوں، بڑی چالاکی اور مہارت سے اُس فلم میں یہ پیغام رکھا گیا ہے، کہ جو مسلم علماء یا عوام کسی کراہت کے بغیر غیر مسلم بھائی کو ملتے یا رخصت کرتے وقت (مشرکانہ کلمہ) ''جے شری رام'' بولتے ہیں؛ صرف یہی وہ لوگ ہیں جو امن اور محبت کے پیغام کی قدر کرتے ہیں، اور اُس کے برعکس جو لوگ ہیں وہ تو دراصل دہشت گرد ہیں ---

آپ نے اپنے اداریہ میں ایمان وشرک اور اسلامی تہذیب اور برہمنی کلچر کے درمیان کشمکش کی جس لامتناہی جدوجہد کا تذکرہ کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اِس پیغام کو بہت اہمیت کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانے پر پورے ملک ؛یہاں تک کے اِس ملک کے باشندے جو ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں بیرون ملک میں آباد ہیں؛ اُن تک بھی ضرور پہونچایا جانا چاہیئے، اور اِس پیغام کو جیسا آپ نے بھی تحریر فرمایا ہے، ایک مہم کے طرز پر ہر ایمان والے تک پہونچایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ امت میں کچھ ایمان فروش اور کچھ جہلاء (میں ایسے حضرات کو علماء نہیں لکھ سکتا) ایسے ہیں جو اِس وقت امت میں بے حد Confusion پیدا کررہے ہیں۔

میں اِس موقع پر آپ کو مبارک باد کے ساتھ ساتھ آپ کے عظیم والد کے حوالے سے؛ جنہوں نے باطل کی طرف سے اُٹھنے والے ہر فتنے کا نہ صرف جواب دِیا بلکہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے ایمان وعقیدہ اور تہذیبی شناخت کے لئے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے (آج بھی مجھے مفکر اسلام کا وہ تاریخی جملہ یاد ہے؛ جو انہوں نے بانیٔ الفرقان کی وفات کے بعد ارشاد فرمایا تھا: کہ مولانا نعمانی علیہ الرحمہ اُن علماء ربّانیین میں تھے؛ جن کی وجہ سے اللہ نے اِس ملک کو اِسپین بننے سے بچالیا۔) ان کے حوالے سے میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ اِس ملک میں ایمان کے تحفظ اور شریعت کی بقاء کے لئے ہم لوگوں کو واضح پیغام اور مسلسل رہنمائی سے نوازتے رہیں۔ میں اِس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی طرف سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تمام اراکین کو سلام کرتا ہوں، بالخصوص عالی وقار صدر بورڈ اور نئے جنرل سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کو کہ انہوں نے بروقت امت کو بیدار کرنے کی مہم کی ذمہ داری قبول کرلی بلکہ اس کا آغاز بھی کردیا۔ اللہ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

فرط جذبات میں شاید یہ تحریر طویل ہوگئی۔ معذرت خواہ ہوں! والسلام

آپ کا مخلص

عامر پٹھان (چنڈی گڑھ پنجاب) apathan4u786@gmail.com